وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ

اور ماپ پورا دو جب تم ماپو۔ اور سیدھے ترازو کے ساتھ وزن کرو

مَعْنَی التَّوَفِّی

فِی جَوَابِ

کَیْلِ الْمُوَفّٰی

مصنفہ

قاضی محمد نذیر فاضل لائلپوری

سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ ربوہ

ناشر: الحاج حکیم عبداللطیف شاہد۔ ۱۴۲ مین بازار۔ گوالمنڈی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" صفحہ ۳۷۵ پر توفّی کے استعمال کے متعلق ایک انعامی چیلنج دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے توفّی کا فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں جو شخص اس کا استعمال قرآن کریم۔ حدیث اور اہلِ عرب کے کلام سے قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں دکھا دے آپ اسے اپنی جائداد بیچ کر ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ آپ کی تحقیق میں توفّی باب تَفَعُّل کے مشتقات کا جب خدا تعالےٰ فاعل ہو اور ذی روح مفعول ہو تو یہ ہمیشہ قبض رُوح کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں نہ کہ قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں لہٰذا حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے متعلق قرآن مجید میں توفّی کا استعمال ان کے وفات پا جانے پر قطعی دلیل ہے۔ اس انعامی چیلنج کے اوّلین مخاطب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے مگر نہ وہ اور نہ کوئی اور ہی عالم آپ کی زندگی میں مطلوبہ مثال پیش کر سکا۔ حتیٰ کہ آپ ۱۹۰۸ء میں وفات پاکر محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔

اس چیلنج کے ۴۲ سال بعد ۱۹۳۴ء میں جبکہ اس چیلنج کی میعاد جو حضرت

مسیح موعودؑ کی زندگی تک تھی ختم ہو چکی تھی۔ مولوی عنایت اللہ صاحب غیر مقلد وزیر آبادی حال گجرات نے ۱۹۳۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نام ایک خط میں اس چیلنج کے مقابلہ میں مطلوبہ مثال پیش کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اور بعد میں اس آمادگی کا اظہار بطور اعلان اخبار "سیاسی" گجرات میں شائع کر کے ایک ہزار روپیہ کسی امین کے پاس جمع کرانے کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں مرکز سے مشورہ کے بعد مرزا حاکم بیگ صاحب احمدی موجد "تریاقِ چشم" نے جو ان دنوں گجرات میں رہتے تھے۔ ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں پانچ معززینِ گجرات کے نام بطور امین پیش کئے اور لکھا کہ مولوی عنایت اللہ صاحب ان میں سے جس کسی پر اعتماد رکھتے ہوں میں ایک ہزار روپیہ کی رقم ان کے پاس جمع کرا دونگا وہ پانچ معززین یہ تھے:۔

اوّل:۔ نواب صاحب خان بہادر چوہدری افضل علی صاحب آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل گجرات۔

دوم:۔ حکیم محمد حسین صاحب ایم اے پرنسپل گورنمنٹ کالج گجرات

سوم:۔ رائے بہادر لالہ کنور انا تھ صاحب رئیس گجرات۔

چہارم:۔ ڈاکٹر شیخ عبدالرشید صاحب مقتدی مولوی عنایت اللہ صاحب

پنجم:۔ حاجی شیخ عبدالعزیز صاحب اہلحدیث محسن مولوی عنایت اللہ صاحب۔

چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے مولوی عنایت اللہ صاحب اخبار سیاسی گجرات ۱۵ مارچ ۱۹۳۴ء کے ذریعہ اس مقابلہ سے یہ طرح دیکر

قرار اختیار کر گئے کہ میرے مخاطب تو مرزا محمود احمد صاحب (امام جماعت احمدیہ) ہیں وہی مرزا صاحب کی جائداد کے مالک ہیں کوئی دوسرا مالک نہیں۔ حالانکہ اس چیلنج کی میعاد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی تک تھی اور اب آپ کی جائداد آپ کی ساری اولاد میں تقسیم ہو چکی تھی۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ اس جائداد کے واحد مالک نہ تھے اب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بعد اس چیلنج کی فضا میں آپ کی ساری جماعت تھی جو آپ کی اس تحقیق کی صحت پہ دل سے یقین رکھتی ہے اور اس بات کو مولوی عنایت اللہ صاحب خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے انہیں جھوٹا ثابت کرنے کا ایک اور سامان ان کے ہاتھ سے ہی فراہم کرا دیا۔ بات یوں ہوئی، کہ اخبار ریاسی کے جس پرچہ میں وہ مرزا حاکم بیگ صاحب کے اشتہار کی اشاعت کے بعد مقابلہ سے یہ طرح دیکر فرار کر رہے تھے کہ آپ کا مقابلہ حضرت مرزا صاحب کی جائداد کے واحد مالک مرزا محمود احمد صاحب سے ہے مولوی عنایت اللہ صاحب نے مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت لاہور کو بھی مقابلہ کی دعوت دیدی حالانکہ وہ حضرت مرزا صاحب کے کوئی رشتہ دار نہ تھے کہ آپ کی جائداد انہیں ورثہ میں ملی ہو اس سے ظاہر ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب ایسے اعلانات سے محض شہرت کے خواہاں تھے ورنہ وہ اپنے دعویٰ میں سنجیدہ ہوتے تو فوراً مطلوبہ مثال پیش کر کے انعام کا مطالبہ کرتے۔ اور جبکہ مرزا حاکم بیگ صاحب انعام کی رقم انکے مسلمہ امین کے پاس جمع کرانے کیلئے تیار تھے تو ان کیلئے گریز کی کوئی راہ باقی نہ تھی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اپنی اس مزعومہ مثال کے متعلق جس کے بل بوتے پر انہوں نے

ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ خوب جانتے تھے کہ وہ قبض الروح مع الجسم کے معنوں پر مشتمل نہیں بلکہ وفات کے معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔ چونکہ حدیث کی اس مثال کو جسے انہوں نے چھپائے رکھا تھا تاکہ انکے ڈھونگ پر پردہ پڑا رہے اب وہ اپنی کتاب "کیل المونی" میں شائع کر چکے ہیں اس لئے ہمیں اس کا جائزہ لینے کا موقعہ مل رہا ہے۔ میں ان کی اس کتاب کا جواب لکھنے سے پہلے اس حدیث اور اسکے ترجمہ کی تصحیح نقل چاہتا تھا چنانچہ میں اس غرض کیلئے گجرات میں خود جا کر انہیں ملا۔ مولوی صاحب حدیث کا اصل ماخذ تو پیش نہ کر سکے۔ اور ترجمہ جو انہوں نے بعض علماء عرب کی طرف سے پیش کیا تھا۔ اسے تلاش کرنے کا وعدہ کیا۔ ربوہ واپس آکر میں نے انہیں رجسٹری خط لکھا کہ وہ حدیث اور اس کے ترجمہ کی تصحیح نقل کرائیں۔ مولوی عنایت اللہ صاحب نے میری اس چٹھی کا خود تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ اس خط کے جواب میں کسی اور شخص کے نام سے ایک بیرنگ خط میں لکھوایا کہ مولوی عنایت اللہ صاحب کا مطالبہ مرزا محمود احمد سے ہے جو مرزا صاحب کی جائداد پر قابض ہیں۔ حالانکہ جب وہ ایک کتاب لکھکر اس میں حدیث درج کر چکے ہیں اور عرب کے بعض علماء کی طرف سے اس کا ترجمہ بھی نقل کر کے شائع کر چکے ہیں تو ان کی یہ کتاب پبلک میں آجانے کی وجہ سے ہر شخص کے لئے یہ حق پیدا کر رہی ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان سے تصحیح نقل کا مطالبہ کرے لہذا اب وہ تصحیح نقل سے گریز کر کے اپنی دلیل کی کمزوری پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں۔ اور میں ان کی کتاب کا جواب خدا تعالےٰ کے فضل سے "معنی التوفی فی جواب کیل المونی" کے نام سے شائع کر رہا ہوں۔

محمد نذیر لائلپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وجہ تالیف

راولپنڈی سے ہمارے ایک محترم دوست خواجہ عنایت اللہ صاحب نے ہمیں مولوی عنایت اللہ صاحب اثری وزیر آبادی حال گجرات کی ایک تصنیف ارسال کی ہے جس کا نام کیل الموفی لمن یکتال علیہ معنی التوفی ہے اور ہم سے خواہش کی ہے کہ اس کا جواب لکھا جائے کتاب ہذا کے یہ مصنف ایک غیر مقلد مولوی ہیں جو آجکل گجرات کی ایک مسجد اہل حدیث میں امام الصلوٰۃ ہیں۔

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے بڑی وضاحت سے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید کی دو آیتوں میں اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ یا فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے جو الفاظ آئے ہیں ان میں توفی سے مراد وفات دینا ہے نہ کہ انہیں زندہ مع روح وجسم کے قبض کر لینا۔ آپ نے ان علماء کو جو ان آیتوں میں توفی کا استعمال قبض روح مع جسم کے معنوں میں لیتے ہیں اس شرط پر اپنی کتاب ازالہ اوہام میں ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ

عربی زبان میں توفّی باب تفعل کے قبض رُوح مع جسم کے معنوں میں استعمال کی کوئی مثال پیش کریں۔ اس چیلنج کے اول مخاطب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے۔ اور اب تک یہ چیلنج لاجواب چلا آرہا ہے۔ مولوی عنایت اللہ صاحب اثری نے اب اپنی کتاب کیل الموفّی میں اس چیلنج کو توڑنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

وفات مسیحؑ اور قرآن مجید حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارہ میں قرآن مجید کی وہ دو آیتیں جن میں تتوفّی باب تفعل سے ایک جگہ اسم فاعل مُتَوَفِّیْكَ دوسری جگہ فعل ماضی تَوَفَّیْتَنِیْ وفات دینے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝
وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ
اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران ع ۵)

یعنی یہودیوں نے ایک مخفی تدبیر کی (یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر مارنے کا منصوبہ کیا) اور خدا تعالےٰ نے بھی مخفی تدبیر کی۔ (یعنی انہیں یہودیوں کے منصوبہ سے بچانے کی تدبیر کی) اور اللہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ جب اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو تسلّی

دیتے ہوئے) کہا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی وفات دینے والا ہوں (یعنی یہ یہودی تجھے صلیب پر نہیں مار سکیں گے) اور میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ (یعنی وفات کے بعد تیری روح کو اپنے حضور اٹھانے والا اور تجھے بلند درجات دینے والا ہوں) اور تجھے کافروں کے الزامات سے پاک کرنے والا ہوں۔ اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جس ترتیب سے یہ چار وعدے کئے تھے اسی ترتیب سے پورے بھی کر دیئے یعنی انہیں صلیبی موت سے بچا کر طبعی عمر گذارنے کے بعد طبعی وفات دی ہے۔ اور ان کی رُوح کو اپنے حضور اٹھا کر بلند درجات دیئے ہیں اور اسی طرح یہود کے ناپاک الزامات سے آپ کو پاک ثابت کر دیا ہے۔ اور آپ کے ماننے والوں کو منکرین یہود پر غالب کر دیا ہے اور یہ غلبہ قیامت تک رہے گا۔

حیاتِ مسیحؑ کے قائلین کا نقطۂ نظر اور خدا کی تدبیر کی حکمت

حیاتِ مسیحؑ کے قائلین علماء میں سے بعض نے اس آیت میں متوفیک کے لفظ کے معنی پورا پورا لینے والا مراد لے کر رَافِعُكَ اِلَیَّ کے الفاظ سے ان کے زندہ معہ روح و جسم آسمان پر اٹھائے جانے کا وعدہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ آسمان پر زندہ

اُٹھا لینا تدبیر نہیں بلکہ قدرت نمائی کہلا سکتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس نے یہودیوں کی تدبیر کا مقابلہ تدبیر سے کیا ہے۔

البتہ جن علماء نے مُتَوَفِّیْکَ کے معنے تجھے وفات دینے والا ہوں کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کا نظریہ یہ ہے کہ وفات کا وعدہ کبھی بعد میں پورا ہوگا اور رَافِعُکَ اِلَیَّ کا وعدہ زندہ اٹھا لینے کے معنوں میں پہلے پورا کیا گیا ہے۔ گویا یہ وعدے ترتیب کے مطابق پورے نہیں ہوئے وفات کا وعدہ ان کے دوبارہ دنیا میں آنے پر کسی وقت پورا ہوگا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھا لینا تو کوئی تدبیر نہیں بلکہ معجزہ نمائی ہے معجزہ کو تدبیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سیاق آیت میں خدا تعالےٰ کی طرف سے یہود کی تدبیر کا مقابلہ تدبیر سے کرنے کا ذکر ہے نہ معجزہ نمائی کا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دشمنوں کے متعلق بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ۔ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ط) یعنی دشمنوں کی تدبیر کا مقابلہ خدا تعالےٰ تدبیر سے کر رہا ہے۔ جس طرح دشمن کے ہاتھوں سے بچا کر آپؐ کو ہجرت کرا دی۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کو بچا کر ہجرت کرائی ہے۔

ایک طبقہ علماء کا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے نظریہ سے اتفاق رکھتا ہے۔ اور ترتیب داران وعدوں کا پورا ہونا مانتا ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا قائل نہیں بلکہ طبعی وفات اور رفع الروح کا قائل ہے۔ چنانچہ سابق مفتی دیار مصریہ علامہ رشید رضا

ایڈیٹر المنار اور علامہ محمود شلتوت وغیرہ جیسے علماء اس امر کا اظہار اپنے بیانوں میں کر چکے ہیں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے جب قیامت کو سوال ہوگا "ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ"

کہ کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دو معبود بناؤ۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس کے جواب میں کہیں گے اے خدا! تو پاک ہے مجھ سے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں وُہ بات کہتا جس کا میں حقدار نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہے تو تُو اسے جانتا ہے تو میرے نفس کی باتیں جانتا ہے اور میں تیرے نفس کی باتیں نہیں جانتا۔ بے شک تو غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ پھر اس جواب کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی برئیت میں یہ بھی کہیں گے "وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔

(سورۂ مائدہ آخری رکوع)

ترجمہ۔ جب تک میں ان لوگوں میں رہا ان کا نگران رہا ہوں یعنی میری موجودگی میں اور میرے علم کے مطابق ان لوگوں میں مجھے اور میری

ماں کو معبود ماننے کا عقیدہ پیدا نہیں ہوا تھا) پس جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ان پر (اے خدا) تو ہی نگران تھا اور تو ہر چیز پر نگران ہے۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خدا تعالےٰ کے حضور قیامت کے دن اپنی موت کا اس طرح اقرار کریں گے کہ ان کی قوم میں انہیں اور ان کی ماں کو معبود ماننے کا عقیدہ ان کے ذاتی علم کے مطابق ان کی موجودگی میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ان کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہوگا۔ چونکہ قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے یہ عقیدہ عیسائیوں میں پیدا ہو چکا تھا کیونکہ قرآن مجید نے عیسائیوں کے ایسے عقیدہ کی تردید کی ہے اور انہیں توحید کے عقیدہ کی دعوت دی ہے لہذا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کے حضور یہ اقرار کہ جب تو نے مجھے توفّی کر لیا تو ان پر تو ہی نگران تھا" یعنے پھر مجھے قوم کی نگرانی کا موقع نہیں ملا فلما توفیتنی کے معنے "جب وفات دی تو نے مجھے" متعین کر دیتا ہے اور اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ انہیں قیامت کے دن تک قوم میں دوبارہ اصالتاً آکر ان کی اصلاح کا موقعہ نہیں ملا ہوگا۔

حیات مسیحؑ کے قائلین کی تاویل

جو علماء حیاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت میں توفیتنی کی تاویل رفعتنی کی ہے۔ اور مراد یہ لی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کے دن جواب میں یہ کہیں گے کہ خدایا جب تو نے میری روح کو جسم سمیت اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا۔

تاویل کی تردید یہ معنی سیاق آیت کے لحاظ سے بھی غلط ہیں۔ اور لغت عربی کے بھی خلاف ہیں۔ سیاق کے لحاظ سے اس لئے غلط ہیں کہ اگر اس جگہ تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنے پورا پورا لیکر روح مع جسم اٹھا لینے کے کئے جائیں اور پھر عقیدہ یہ رکھا جائے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام آخری زمانہ میں کسی وقت دوبارہ اصالتًا دنیا میں آکر عیسائیوں کے عقائد کی تردید کریں گے۔ اور کسرِ صلیب کرکے ان سب کو مسلمان بنا دیں گے تو چونکہ آیت میں مذکور سوال وجواب قیامت کے دن ہوگا۔ اس لئے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا جواب اس صورت میں نہ صرف نامکمل رہتا ہے۔ بلکہ قوم کے حالات وعقائد سے لاعلمی کا اظہار (معاذ اللہ) جھوٹ پر مشتمل قرار پاتا ہے۔ اصالتًا دوبارہ آنے کی صورت میں تو انہیں قیامت کے دن یہ بھی کہنا چاہیئے کہ اے خدا جب تو نے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجا تو میں نے دیکھا کہ میری قوم بگڑی ہوئی ہے اور مجھے اور میری ماں کو دو معبود مان کر صریح شرک میں مبتلا ہے میں نے اُن کے ان عقائد کی پُرزور تردید کی اور ان کی ایسی اصلاح کی کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے جواب میں یہ الفاظ موجود نہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ان کے جسم سمیت آسمان پر جانے اور آخری زمانہ میں کسی وقت جسم سمیت آسمان پر سے اُترنے کا عقیدہ اس نصِ قرآنی کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ اس جگہ ایسی تَوَفّی کا اقرار ہے جس سے واپس آنے کا کوئی ثبوت

اس نص میں موجود نہیں بلکہ یہ توفی قیامت تک رہے گی۔ کیونکہ حضرت عیسٰے علیہ السلام فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کہنے کے بعد خدا تعالےٰ کو مخاطب کرکے کہیں گے۔ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کہ یہ لوگ میری توفی کے بعد صرف تیری ہی نگرانی میں رہے ہیں۔ گویا اقرار کرینگے کہ مجھے میری توفی کے بعد قوم میں دوبارہ جاکر نگرانی کا موقع ہی نہیں ملا۔ اس لئے مجھے ان کے حالات کا کوئی علم نہیں۔ لہٰذا مجھ پر ان لوگوں کے مجھے اور میری ماں کو معبود ماننے کی کوئی ذمہ داری نہیں اگر اس جگہ تَوَفَّيْتَنِي کی تاویل رفعتنی کی جائے تو چونکہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے جواب سے ظاہر ہے کہ ان کی یہ توفی قیامت تک رہے گی کیونکہ اس سے واپسی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ عدم واپسی کا اظہار كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں کردیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ قیامت تک حضرت عیسٰے علیہ السلام وفات نہیں پائیں گے۔ اور یہ بات نص قرآنی كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ اس آیت کی رُو سے ہر شخص کے لئے موت کا ذائقہ چکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پس سیاق آیت سے تَوَفَّيْتَنِي کے معنے اس جگہ وفات دینے کے متعین ہو جاتے ہیں اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کی قیامت کے دن قوم کے بگڑنے سے ذاتی علم کی نفی اور اپنی وفات اور اس کے بعد دوبارہ نگرانی نہ ملنے کا اعتراف ان کے اصالتاً دوبارہ نہ آنے پر روشن دلیل ہے۔

تَوَفَّیْتَنِیْ کی تاویل رفعتنی کے لفظ سے یا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنے

روح کے جسم سمیت پورا پورا لینا لغتِ عربی کے بھی خلاف ہے۔ عربی لغات کی نہایت مستند کتاب تاج العروس میں لکھا ہے تُوُفِّیَ فُلَانٌ اِذَا مَاتَ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ رُوْحَہٗ کہ توفّی فلانٌ تب کہتے ہیں جب وہ مرے اور تَوَفَّاہُ اللّٰہُ تب کہتے ہیں جب خدا اس کی روح کو قبض کرے۔ پس جب خدا تعالےٰ فاعل ہو اور انسان مفعول بہ تو توفّی کے افعال کے معنے موت یا قبض رُوح کے ہوتے ہیں۔ گویا انسان کی روح کو جسم سمیت قبض کرنے کے معنوں میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔

قرآن مجید بھی لغت کے اسی بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں توفّی کا فعل جہاں کہیں خدا کے فاعل اور کسی ذی روح کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں استعمال ہوا ہے اس جگہ موت یا نیند کی صورت میں قبض رُوح ہی مراد ہے۔ نہ قبض روح جسم سمیت۔ چنانچہ آیت اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ (یونس ع ۱۱۔ آیت ۱۰۵) (کہدو) میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دے گا۔ میں یَتَوَفّٰکُمْ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور آیت ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (سورۃ انعام ع ۷۔ آیت ۶۱) یعنی اللہ وہ ہے جو تمہیں رات کو قبض کرتا ہے۔ میں

توفّی کا لفظ رات کے قرینہ کی وجہ سے سُلانے کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے گویا توفّی کے معنے خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول بہٖ ہونے کی صورت میں قبض روح ہوتے ہیں جس کی دو صورتیں ہیں ایک موت کے وقت مستقل طور پر قبض روح اور دوسری نیند کے وقت عارضی قبض رُوح۔ مگر نیند کے معنوں کے لئے لیل (رات) وغیرہ کا قرینہ ضروری ہوتا ہے۔ اگر نیند کے لئے کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس مقام پر اس کے معنی موت کی صورت میں قبض روح کے متعین اور مخصوص ہو جاتے ہیں جیسا کہ یہی مضمون خدا تعالےٰ نے سورۂ زمر کی ایک آیت میں خود بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (زمر رکوع ۵ آیت ۴۳)

یعنی اللہ روحوں کو موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس رُوح پر موت نہ آئے (یعنی جس روح کا حامل زندہ ہو) اس کی رُوح اس کی نیند کی حالت میں قبض کرتا ہے پس جس روح کے متعلق موت کا فیصلہ کرتا ہے اسے قبض کر کے روکے رکھتا ہے اور دوسری کو (جو نیند میں قبض کی جائے) ایک مقررہ مدت تک دوبارہ بھیجتا رہتا ہے۔

اس آیت میں حصر یہ رنگ میں بتا دیا گیا ہے کہ زندہ انسان کی خدا تعالیٰ

کے نزدیک توفّی کی دو ہی صورتیں ہیں ایک صورت موت کے وقت قبض روح کی۔ دوسری صورت زندہ انسان کی رُوح کو نیند میں قبض کرنے کی۔ اس جگہ زندہ انسان کے لئے کوئی تیسری صورت قبض روح معہ جسم کی بیان نہیں کی گئی۔ حالانکہ اگر خدا تعالےٰ کے نزدیک زندہ انسان کی روح کی توفّی کی کوئی تیسری صورت روح مع الجسم قبض کرنے کی بھی ہوتی تو اس جگہ بیان ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ یہی آیت اس تیسری صورت کے بیان کا محل اور موقعہ ہوسکتی تھی۔ اور قرآن مجید میں انسان کی توفّی روح معہ جسم کی صورت میں کیا جانے کی تائید میں کوئی آیت موجود نہیں۔ چنانچہ آیت اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ میں انسان کی توفّی کی ایک صورت موت قرار دی گئی ہے۔ اور آیت ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ میں توفّی کی دوسری صورت نیند کے قرینہ کی بنا پر سلانا قرار دی گئی ہے۔ اور سورۂ زمر کی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کی توفّی خواہ موت کی صورت میں ہو یا نیند کی صورت میں اس کا اثر اس کی روح پر ہی پڑتا ہے اور اس کا براہ راست مفعول بہ دراصل روح انسانی ہی ہوتی ہے اور جسم کے تعطّل کا اثر اس توفّی یعنی قبض روح کے نتیجہ میں ہی ہوتا ہے۔ پس جب قرآن مجید میں بتا دیا گیا ہے کہ توفّی روح کی ہی ہوتی ہے نہ روح معہ جسم کی تو ان تینوں آیتوں میں بیان کردہ قانونِ الٰہی کی روشنی میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا قیامت

کے دن خدا تعالےٰ کے حضور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کہنا بلحاظ سیاق آیت بھی از روئے لغت بھی اور از روئے قانونِ الٰہی بھی جو قرآن مجید میں بیان ہوا۔ صرف اور صرف یہی معنے رکھتا ہے "جب وفات دی تو نے مجھے تو اس وقت تو ہی ان لوگوں کا نگران تھا" نہ کہ جب تو نے مجھے روح معہ جسم قبض کر لیا تو اس وقت تو ہی ان کا نگران تھا"

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا چیلنج

سورۂ زمر کی آیت میں توفّی کا جو قاعدہ کلّیہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی تمام آیات اور احادیث نبویہ میں اس کے مطابق جہاں جہاں خدا تعالےٰ کے فاعل ہونے کی صورت توفّی مصدر کا کوئی فعل وغیرہ انسان کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں اس کے معنی اس انسان کی بصورت موت روح قبض کرنا یا بصورت نیند روح قبض کرنا ہوتے ہیں۔ نیند کے لئے استعمال کی صورت میں کوئی قرینہ صارفہ کلام میں موجود ہونا چاہیئے۔ لغت عربی کی تمام کتابیں اور محاورات زبان عربی اس وقت سے لے کر جب سے جزیرۂ عرب میں عربی زبان رائج ہوئی اس بات پر گواہ ہیں کہ توفّی کا جب خدا فاعل ہو اور ذی روح مفعول بہ ہو تو اس کے معنے صرف اور صرف قبض روح کے ہوتے ہیں۔ نہ کہ قبض الروح معہ الجسم کے۔ اسی استقرائی قاعدہ کے پیش نظر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے حیات مسیح کے قائلین علماء کو

جو حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے لئے آیاتِ قرآنیہ میں توفّی کے استعمال کو پورا لینے یا روح مع جسم کے ساتھ قبض کرنے کے معنے میں قرار دیتے ہیں اس بات کی دعوت دی ہے کہ اگر کوئی عالم قرآن مجید یا احادیث نبویّہ یا عربی زبان کے محاورات سے توفّی کا استعمال ایسی صورت میں قبض روح کے معنوں کے علاوہ قبض الروح مع الجسم کے خاص معنے میں دکھادے تو آپ ایسے شخص کو ایک ہزار روپیہ انعام بھی دیں گے۔ اور اس کی قرآن دانی اور حدیث دانی کے بھی قائل ہو جائیں گے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیّہ کے الفاظ میں چیلنج

اس چیلنج کے اوّل مخاطب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے۔ مگر اس دعوت کو کوئی عالم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکا۔ اور اس طرح حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے نظریہ کی صداقت پر مہر لگ چکی ہے۔ ہم حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السّلام کی اس پر تحدّی انعامی دعوت کو آپ کی کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۳۷۵ سے اس جگہ آپ کے الفاظ میں ہی نقل کر دینا چاہتے ہیں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض علمائے وقت کو اس بات پر سخت غلوّ ہے کہ مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا۔ بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیاتِ جسمانی دنیوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں کہ توفّی کا لفظ جو قرآن کریم

ہیں حضرت مسیحؑ کی نسبت آیا ہے۔ اس کے معنے وفات دینا
نہیں ہیں۔ بلکہ پورا لینا ہے۔ یعنی یہ کہ روح کے ساتھ جسم کو
بھی لے لینا۔ مگر ایسے معنے کرنا ان کا سراسر افترا ہے۔ قرآن کریم
کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارہ میں یہ محاورہ ہے کہ وہ
لفظ قبض روح اور وفات دینے کے معنے پر ہر ایک جگہ اس کو
استعمال کرتا ہے۔ یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوال رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں
عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبانِ عربی جاری ہوئی ہے
کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ توفّی کا لفظ
کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ بلکہ جہاں کہیں
توفّی کے لفظ کو خدا تعالےٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال
کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی پر
آیا ہے نہ قبض جسم کے معنے پر۔ کوئی کتاب لغت کی اس کے
مخالف نہیں۔ کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مغایر نہیں
غرض ایک ذرہ احتمالِ مخالف کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص
قرآن کریم یا کسی حدیث رسول اللہ سے یا اشعار و قصائد
نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ
کسی جگہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی
حالت میں جو ذی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو

وہ مجرد قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنے پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد دونگا۔ اور آئندہ اسکے کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا۔

..... اس اشتہار کے مخاطب خاص طور پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں جنہوں نے غرور اور تکبر کی راہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ توفّی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے۔ اس کے معنے پورے لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو بہیئت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا اور وجود مرکب جسم اور روح میں سے کوئی حصہ متروک نہ چھوڑنا بلکہ سب کو بحیثیت کذائی اپنے قبضہ میں زندہ اور صحیح سلامت لے لینا سو اسی معنی سے انکار کر کے یہ شرطی اشتہار ہے"۔

(ازالہ اوہام ایڈیشن جدید ص۳۷۵ ایڈیشن اوّل ص۹۱۸ تا ۹۲۰)

چیلنج کے مقابلہ سے علماء کا عجز اس چیلنج کے مقابلہ میں نہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی توفّی کے قبض الروح مع الجسم کے استعمال کی کوئی مثال پیش کر سکے اور نہ کوئی اور عالم دین

جو حیات مسیح علیہ السلام کا قائل ہے اب تک کوئی مثال پیش کر سکا ہے۔
مگر مولوی عنایت اللہ صاحب، وزیر آبادی حال گجرات کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں حدیث نبویؐ سے ایسی مثال مل گئی ہے جو اس چیلنج کے جواب میں پیش ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں کافی عرصہ پہلے وہ چیلنج بازی کرتے رہے مگر حدیث کی اس مثال کو جو ان کے زعم میں اس چیلنج کے جواب میں پیش ہو سکتی تھی چھپائے رکھا۔ جب انہوں نے اس چیلنج کا جواب اخبار ستیاسی میں شائع کیا، تو گجرات کے ایک احمدی دوست مرزا حاکم بیگ صاحب نے ایک ہزار روپیہ کی رقم حسب مطالبہ امین کے پاس جمع کرانے پر آمادگی کا اشتہار دیا۔ اور ہماری جماعت کے ایک عالم کو مرکز نے اس مقابلہ کے لئے تجویز کر دیا۔ مگر چونکہ مولوی عنایت اللہ توفی کے استعمال کی اس مثال کی حیثیت سے خوب واقف تھے جسکے بل بوتے پر انہوں نے یہ شہرت طلبی کا ڈھونگ رچایا تھا۔ لہذا وہ اس مقابلہ سے طرح دے کر حیلوں اور بہانوں سے اس حدیث کے پیش کرنے سے فرار کر گئے اگر انہیں خود یقین ہوتا کہ انہیں جو حدیث ملی ہے وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے چیلنج کے جواب میں پیش ہو سکتی ہے تو جب انعامی رقم آپ کے ایک مرید کی طرف سے جمع کرانے پر آمادگی کا بذریعہ اشتہار اعلان کر دیا گیا تو انہیں فوراً وہ حدیث پیش کر کے انعام حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔

اب چونکہ انہوں نے اپنی کتاب کیلِ المرقی کے صفحہ پر وہ

حدیث شائع کر دی ہے۔ اور اس طرح انہوں نے ہمیں اس حدیث کے متعلق تحقیق کا موقعہ بہم پہنچا دیا ہے۔ اس لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ مولوی عنایت اللہ صاحب کی یہ پیش کردہ حدیث ہرگز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مطالبہ کو پورا نہیں کرتی۔ اور اس کے جو معنے مولوی عنایت اللہ صاحب نے کئے ہیں وہ بھی از روئے لغتِ عربی درست نہیں۔

توفی کے متعلق لغوی تحقیق

اس حدیث کے متعلق بحث سے پہلے جس میں یتوفاہ اللہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس کے معنے "خدا تعالےٰ اسے پورا اجر و ثواب دے گا" کئے ہیں۔ توفی باب تفعّل کے استعمال کے متعلق لغوی تحقیق کا جاننا از بس ضروری ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے صحیح معنوں کا سمجھنا توفی کی لغوی تحقیق جاننے پر موقوف ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ توفّی باب تفعّل وفا مادہ کے دیگر ابواب ایفاء (افعال) توفیہ (تفعیل) موافاۃ (مفاعلہ) اور استیفاء (استفعال) کے ہم معنی ہے اور جس طرح وفا کے دیگر ابواب کے معنی پورا دینا ہیں۔ اسی طرح توفّی کے معنی بھی پورا دینا ہیں۔ اگر لغتِ عربی سے یہ بات درست ثابت ہو جائے تو پھر حدیث زیرِ بحث کے جو معنی انہوں نے کئے ہیں درست قرار پائیں گے اور اگر یہ بات درست ثابت نہ ہو تو ان کے معنی غلط قرار پائینگے

ہماری تحقیق توفّی کے لغوی معنوں کے متعلق یہ ہے کہ اس کے معنے پورا دینا ہرگز درست نہیں۔ وفا کے مادہ سے ایفا (باب افعال) توفیہ (باب تفعیل) اور موافات (باب مفاعلہ) اعطاء الشیئ وافیاً کسی شے کو پورا دینا کے معنوں میں ہم معنی ہوجاتے ہیں مگر توفّی (باب تفعّل) کے یہ معنے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان ابواب کے بالمقابل توفّی کے معنی کبھی استیفاء کی طرح قبض الشیئ وافیاً یعنی کسی شے پورا لینا ہوتے ہیں۔ توفّی اور استیفا دونوں باب۔ توفیہ (باب تفعل) کے مطاوع ہیں یعنی توفیہ کے معنی پورا دینا ہیں تو ان کے معنی اسکے نتیجہ میں پورا لینے کے ہیں۔ چنانچہ خود مولوی عنایت اللہ صاحب نے اپنی کتاب "کیل الموفّی" میں لغوی تحقیق کے ذیل میں جو حوالہ جات درج کئے ہیں وہ ہماری اس تحقیق پر شاہد ناطق ہیں۔ گو مولوی عنایت اللہ صاحب نے حدیث کے معنوں کے لئے اپنی مطلب براری کی خاطر لغت کے حوالوں کا مفہوم گول مول بیان کر کے یہ فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ توفّی کے معنی "دینا" بھی ہیں۔ مگر حق آخر حق ہے وہ چھپایا نہیں جا سکتا اسلئے بعض جگہ وہ ان کے ترجمہ سے بے ساختہ ظاہر ہو رہا ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس بارہ میں سب سے پہلے قاموس کا مندرجہ ذیل حوالہ پیش کیا ہے:-

" ادفیٰ علیہ اشرف وفلاناً حقّہٗ اعطاہٗ ایاہٗ

كَوَفَّاهُ ووافاهُ فاستوفاهُ وتوفّاهُ ''

اس عبارت میں اوفیٰ فلانًا حقّہٗ یا وفّٰی فلانًا حقّہٗ یا وافی فلانًا حقّہٗ لیں مصادر ایفاء توفیہ اور موافاۃ کے ان افعال کے یہ معنی کئے گئے ہیں کہ فلاں کو اس کا حق پورا دے دیا۔ اس کے بعد فاستوفاہ پر فاء لاکر اور توفّاہُ کا اس پر عطف کرکے بتایا گیا ہے کہ ان دونوں فعلوں کے معنے جو استیفا (باب استفعال) اور توفّی (باب تفعیل) سے ہیں یہ ہیں کہ اس نے اسے (حق) پورا لے لیا۔ گویا یہ دونوں فعل اوفیٰ۔ وفّٰی اور وافا کے مطاوع ہیں۔ استیفاء (باب استفعال) میں طلب کا خاصہ پایا جاتا ہے پس استیفاء کے معنی ہیں پورا لینا اس کے فعل استوفاہ پر توفّاہُ کا عطف اس بات کی روشن دلیل ہے کہ توفّی پورا لینے کے معنوں میں استیفا کا ہم معنی ہے نہ کہ پورا دینے میں ایفاء یا توفیہ یا موافات کے ہم معنی۔

مگر مولوی عنایت اللہ صاحب قاموس کا یہ حوالہ درج کرکے لکھتے ہیں:-

'' وفا کا مقابل غدر ہے موت نہیں اور اس کا مجرّد اور مفاعلہ اور افعال اور تفعیل اور تفعّل اور استفعال سب بابوں کے معنے پورا پورا دینا لینا ہیں'' (کیل الموفی ص۳۳ و ۳۴)

حالانکہ اصل حقیقت جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں یہ ہے کہ

وفا سے مفاعلہ۔ افعال اور تفعیل کے معنے تو پورا دینا ہیں اور استیفاء اور توفّی پورا لینے کے معنی رکھتے ہیں۔

چنانچہ تاج العروس میں جو لغت عربی کی معروف اور مستند کتاب ہے لکھا ہے:۔

" (فاستوفاہُ وتوفّاہُ) ای لم یدع منہ شیئًا فھما مطاوعان لاوفاء ووفّاہ وافاہ" (تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴)

یعنی فاستوفاہُ اور توفّاہ کے معنی ہیں فلاں نے اس سے لینے میں کوئی چیز نہ چھوڑی۔ پس یہ دونوں فعل اوفا وفّا اور وافا کے مطاوع ہیں۔ یعنی ان کے معنی پورا پورا دینے کے ہوتے ہیں۔ اور استوفا اور توفّا کے معنے پورا لینے کے ہیں۔

اسی طرح عربی لغت کی مشہور اور مستند کتاب لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۶ میں لکھا ہے:۔

اوفی الرجلُ حقّہٗ ووفّاہُ ایّاہُ بمعنی اکملہٗ لہٗ واعطاہٗ وافیًا وفی التنزیل العزیز فوجد اللہ عندہٗ فوفّاہُ حسابہٗ وتوفّا ہو منہُ واستوفاہُ لم یدع شیئًا۔

یعنی اوفی الرجلُ حقّہٗ اور وفّاہُ ایّاہُ کے معنی ہیں حق کو اس کے لئے پورا کیا اور اسے پورا دیا اور قرآن میں اس کی مثال

فَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰاهُ حِسَابَهٗ ہے (یعنی اس نے اللہ کو اپنے پاس پایا پس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا پورا حساب دیا اور توفّاہو منہ (باب تفعّل) اور استوفاہ (باب استفعال) کے معنے ہیں لینے میں کچھ نہ چھوڑا۔

پھر خود مولوی عنایت اللہ صاحب کی زبان پر یوں حق جاری ہو جاتا ہے کہ اپنی کتاب کے صہ پر لسان العرب کے دو حوالے درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

(۲) لسان العرب میں ہے وفّی الشّیئ وادفی و وفّی بمعنی وفا کا باب افعال تفعیل مجرد ہر سہ ہم معنی ہیں کہ کسی کو کچھ پورا پورا دینا۔

(۳) لسان العرب میں ہے توفیتُ المالَ منہ واستوفیتُہٗ اذ اخذتُہٗ کُلَّہٗ۔ وفا کا باب تفعّل اور استفعال دونوں ہم معنی ہیں کہ میں نے اس سے کچھ وصول کرنا تھا پورے طور پر وصول کر لیا ہے (کبیل الموفی صہ)

اسی طرح مولوی عنایت اللہ صاحب کے پیش کردہ لغت کے حوالوں ۴، ۵، ۶ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ توفی اور استیفاء کے معنی پورا وصول کرنا ہیں نہ پورا نہ دینا۔ مگر آگے چلکر پھر وہ حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کے لئے ان عبارتوں کا مفہوم اپنی طرف سے یہ لکھ دیتے ہیں کہ :-

"باب تفعّل کو دیگر بابوں کے ہم معنی قرار دے کر اس کی تخصیص کو توڑ دیا گیا ہے" (کبیل الموفی ص۴۲)

حالانکہ ان حوالوں میں باب تفعّل کو دیگر بابوں کے ہم معنی قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ پورا لینے کے معنوں میں اس کی تخصیص کو قائم رکھا گیا ہے

اس کے بعد اس زعم باطل کی تائید میں اپنی طرف سے علامہ زمخشری کا جو حوالہ وہ پیش کرتے ہیں وہ ان کی بدحواسی کا کھلا کھلا ثبوت ہے وہ حوالہ یوں دیتے ہیں :-

توفیتُ حقّی من فلانٍ واستوفیتہ اذا اخذتُہٗ وافیًا کاملًا من غیر نقصان والتفعّل و الاستفعال یلتقیان فی مواضع منھا۔

یعنی یہ قول کہ توفیتُ حقّی من فلانٍ و استوفیتُہٗ تب کہا جاتا ہے جب تو اس سے پورا پورا اور کامل حق بغیر کسی کمی کے لے لے۔ اور باب تفعّل اور استفعال کئی جگہ ہم معنی ہوتے ہیں۔

اس جگہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ باب تفعل اور استفعال کئی جگہ ہم معنی ہوتے ہیں مگر یہاں یہ مذکور نہیں کہ وفا سے باب افعال یعنی ایفاء اور باب مفاعلہ یعنی موافات اور باب تفعیل یعنی توفیہ بھی تفعّل اور استفعال کے ہم معنی ہوتے ہیں حالانکہ یہ حوالہ مولوی عنایت اللہ صاحب نے بدحواسی میں اس بات کے ثبوت میں پیش کیا تھا کہ باب تفعّل کو دیگر بابوں کے ہم معنی قرار دے کر اس کی تخصیص کو توڑ دیا

گیا ہے" (کیل الموتی ص۳)

مگر آگے چل کر بہ حوالہ پیش کر دینے کے بعد اس کا مطلب یوں لکھتے ہیں "باب تفعل اور استفعال کئی جگہوں میں ایک دوسرے کے معنوں میں آجاتے ہیں۔ لہٰذا وفا کے ان ہر دو بابوں میں بھی یہ بات ملحوظ ہے اس نے فلاں سے اپنا حق پورے طور پر وصول کر لیا ہے۔ ایسا کہ اب اس کی طرف کچھ بقایا نہیں۔"

اس جگہ ہر دو بابوں میں "بھی" کا لفظ سراسر بناوٹ ہے۔ کیونکہ وفا کے کسی اور باب یعنی افعال، تفعیل، مفاعلہ کے معنی پورا لینا ہرگز نہیں ہوتے۔ بلکہ پورا دینا ہوتے ہیں۔

دوسرا قول اسی بدحواسی میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے علامہ الوسی کا روح المعانی سے پیش کیا ہے۔ اور پیش تو اپنے اوپر کے خیال کی تائید میں کیا ہے مگر اس میں بھی صرف تفعل اور استفعال کو پورا لینے میں ہم معنے قرار دیا گیا ہے نہ کہ وفاء کے تمام بابوں کے ہم معنی قرار دیکر تفعل کی تخصیص کو توڑا گیا ہے۔ چنانچہ وہ حوالہ یوں ہے۔

"اصل التوفی اخذ الشیء بتمامه و فسر بالاستیفاء لان التفعل والاستفعال یلتقیان کثیرًا۔"

یعنی اصل معنی توفی کے کسی شے کا بتمامہ (پورا) لے لینا ہیں اور استیفاء کا لفظ اس کی تفسیر میں لایا گیا ہے۔ کیونکہ تفعیل اور استفعال آپس میں اکثر ملتے ہیں (یعنی بہت جگہ پورا لینے میں ہم معنے ہوتے ہیں)

چنانچہ خود مولوی عنایت اللہ صاحب علامہ الوسی کے اس حوالہ کا مطلب یوں لکھتے ہیں :-

" وفا کا باب تفعیل اور استفعال ہم معنے ہے جس سے لغوی ضابطہ کے مطابق کسی چیز کو پوری طرح سے حاصل کرنا مراد ہے"
(کیل المونی ص۵)

مگر ساتھ ہی حق کو چھپانے کے لئے ازراہِ بناوٹ اپنی طرف سے اس حوالہ کے متعلق یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ :-

" فاعل اور مفعول بہ کو ضمیروں کی صورت میں بیان فرما کر واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کے تقیید کی کچھ ضرورت نہیں خواہ کوئی فاعل ہو اور کوئی مفعول بہ اور خواہ کوئی باب بہرحال معنی اس کے پورا لینا اور پورا دینا ہی ہونگے" (کیل المونی ص۵)

غیر خط کشیدہ حصّہ درست ہے مگر خط کشیدہ حصّہ محض فریب دہی ہے کیونکہ وفا کے ہر باب کے معنی پورا لینا اور پورا دینا نہیں ہوتے۔ بلکہ اوپر کے حوالہ میں صرف تفعّل اور استفعال کو پورا لینے کے معنوں میں ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ نہ کہ پورا دینے کے معنوں میں۔ جو وفا کے دوسرے بابوں کے معنی ہیں ؎

" چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد"

کی ضرب المثل ایسے ہی موقعہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ اوپر حوالہ کی عبارت قریب ہی موجود ہے جس میں صرف تفعّل اور استفعال کو پورا لینے کے

معنی میں ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ نہ کہ پورا دینے کے معنوں میں۔ پورا دینے کے معنوں میں جیسا کہ قبل ازیں لغت کے حوالوں سے بیان ہوا وفا سے افعال اور تفعیل اور مفاعلہ ہم معنی ہوتے ہیں۔

توفّی کے متعلق لغوی بحث کا خلاصہ اور موت کے معنی کا محل استعمال

پس خلاصہ اس ساری لغوی بحث کا یہ ہوا کہ وفا سے باب افعال، ایفاء تفعیل توفیۃ اور مفاعلہ یعنی موافات پورا دینے کے معنوں میں ہم معنی ہوتے ہیں۔ اور وفا سے باب تفعّل اور استفعال یعنی توفّی اور استیفاء اکثر جگہ پورا لینے کے معنوں میں ہم معنی ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ استیفاء اور توفّی کا مفعول بہ جب حق وغیرہ غیر ذی روح امر ہو تو یہ دونوں باب مشترک المعنی ہو جاتے ہیں لیکن جب توفّی کا فاعل خدا تعالےٰ ہو اور کسی ذی روح کے لئے توفّی کا کوئی فعل استعمال ہو یعنی ذی روح مفعول بہ واقع ہو۔ تو اس وقت صرف توفّی کے مشتقات ہی موت کے معنے دیتے ہیں استیفاء کا کوئی فعل موت کے معنے نہیں دیتا۔ اور نہ اس موقعہ پر یہ فعل استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسے موقعہ پر توفّی اور استیفاء میں معنوی اشتراک نہیں رہتا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کا اعترافِ حق

چنانچہ بالآخر مولوی عنایت اللہ صاحب کو لغت کے حوالوں کے رُو سے خود اس امر کا اعتراف کرنا پڑا ہے:۔

"ہاں یہ ضروری ہے کہ موت کے اظہار کے لئے دیگر بابوں کو چھوڑ کر صرف اس (توفی - ناقل) باب کو استعمال کیا جائے کیونکہ دیگر جملہ ابواب موت کے معنوں میں ہرگز متحمل نہیں"
(کیل الموفی صہ ۹)

مگر پھر آگے حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے لئے لکھتے ہیں :-

"مگر یہ ضروری نہیں کہ جہاں یہ باب مستعمل ہو۔ اس جگہ موت ہی مراد ہو" (صہ ۹)

مولوی عنایت اللہ صاحب پر واضح ہو کہ جہاں توفی کے استعمال میں خدا تعالیٰ فاعل اور انسان مفعول بہ ہو اس جگہ ضروری ہے کہ موت کے معنی ہی مراد ہوں۔ پھر مولوی عنایت اللہ صاحب خود ہی یہ اعتراف بھی کر رہے ہیں :-

"باب استفعال (یعنی استیفاء ناقل) دیگر بابوں کی طرح (یعنی وفا کے دیگر بابوں کی طرح۔ ناقل) موت کے معنوں کا ہرگز متحمل نہیں" (کیل الموفی صہ ۷)

گویا بالآخر مولوی صاحب کو وفا کے ابواب میں سے صرف توفی کے موت کے معنی کا متحمل ہونے اور استیفاء کے موت کے معنی کا متحمل نہ ہونے کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ سچ ہے ؎

"زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا"

توفّی کے معنی موت ازروئے لغت

پھر خود ہی توفّی کے معنی وفات ثابت کرنے کے لیئے مولوی عنایت اللہ

صاحب علامہ زمخشری کا ایک قول اساس البلاغہ سے اور دوسرا قول لغت عربی کی مستند کتاب تاج العروس سے پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کا تشریحی ترجمہ بھی خود ہی یوں تحریر فرماتے ہیں:-

"امام زمخشری اپنی قابل قدر کتاب اساس البلاغہ میں فرماتے ہیں:" ومن المجاز تُوُفِّیَ فُلَانٌ وتَوَفَّاہُ اللّٰہ وادرکتہ الوفاۃُ"۔

اور اس عبارت کے تشریحی ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

"باب تفعّل سے توفّی جبکہ اللہ پاک اس کا فاعل ہو اور انسان یا کوئی ذی روح مفعول بہ ہو تو اس وقت اس کے موت کے معنی مجازی ہوں گے حقیقی ہرگز نہ ہوں گے"

(کیل الموفی ص۳)

ہم کہتے ہیں ہاں صاحب اس جگہ موت توفّی کے مجازی معنے مراد ہونگے حقیقی معنی اپورا لینے کے ہرگز مراد نہ ہوں گے۔

پھر مولانا آگے تاج العروس کا قول یوں پیش کرتے ہیں:-

"اور تاج العروس میں ہے ومن المجاز ادرکتہُ الوفاۃُ ای الموتُ والمَنِیَّۃُ وتُوُفِّیَ فلانٌ اذا مات و توفّاہُ اللّٰہُ عزّ وجلّ اذا قبضَ رُوحَہٗ"

اور اس کا تشریحی ترجمہ یوں لکھتے ہیں :-

"اللہ پاک کے فاعل اور انسان یا کسی دیگر ذی روح کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں باب تفعّل سے موت مجازی معنیٰ ہیں حقیقی ہرگز نہیں" (کبیل الموفی ص۸)

ہم کہتے ہیں بے شک ایسی جگہ توفّی کے مجازی معنی موت ہی مراد ہوں گے توفّی کے حقیقی معنی یعنی پورا لینا ہرگز مراد نہیں ہوں گے پس اساس البلاغہ اور تاج العروس کے دونوں اقوال کا مفاد یہی ہے کہ توفّی کے فعل کا فاعل جب خدا تعالےٰ ہو اور کسی زندہ انسان کے لئے یہ فعل استعمال ہوا ہو تو اس مقام پر ہمیشہ توفّی کے مجازی معنی موت ہی مراد ہوتے ہیں اس مقام پر اس کے حقیقی معنی پورا لینا ہرگز مراد نہیں ہوتے۔ لیکن اساس البلاغہ اور تاج العروس کے ان دونوں اقوال کو پیش کرنے کے بعد مولوی عنایت اللہ صاحب نے ان کا جو نتیجہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے :-

"پس اللہ پاک کے فاعل اور انسان یا کسی دیگر ذی روح کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں توفّی موت سے مخصوص ہو جاتا ہے تو ائمہ لغت کا اسے ایسی صورت میں مجازی معنوں پر محمول کرنا بے معنی ہوگا۔ جو کہ اہلِ لغت کی شان سے ہرگز مناسب نہیں۔ (کبیل الموفی ص۸)

مجازی معنی کے محل پر حقیقی معنی محال ہوتے ہیں | ہم اس نتیجہ کو نہایت

ژولیدہ اور ایک طفلانہ بات سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ پاک کے توفی کا فاعل اور ذی رُوح کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں جب ان دونوں ائمہ لغت کے نزدیک توفیّ کے مجازی معنی موت مراد ہوتے ہیں تو ان شروط کی موجودگی میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ تینوں شرطیں ہی تو توفیّ کے مجازی معنیٰ موت کے لئے قرینہ ہوتی ہیں۔ پس جہاں موت کا قرینہ موجود ہو وہاں توفیّ کے حقیقی معنی لینے محال ہوں گے۔ چنانچہ علم بیان کے جاننے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ مجازی معنی وہاں ہی مراد ہوتے ہیں جہاں حقیقی معنوں میں اس لفظ کا استعمال محال اور متعذّر ہو۔ پس خدا تعالےٰ کے انسان کو توفیّ کرنے کی صورت میں توفیّ کے حقیقی معنے پورا لینے کے اس جگہ محال ہونے کی وجہ سے از روئے علم بیان موت کے مجازی معنیٰ متعین اور مخصوص ہوجائیں گے۔ جو قبض روح کی ایک صُورت ہے۔

ہاں اگر نیند کے لئے اس مقام پر کوئی قرینہ موجود ہو تو استعارةً اس جگہ توفیّ کے معنی سلانے کے ہوتے ہیں اور یہ بھی از رُوئے قرآن مجید قبضِ رُوح کی ہی ایک صورت ہے۔ جو موت کے مشابہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی روح قبض ہوجاتی ہے۔ اور انسان کا جسم بھی ایک حد تک مرنے والے کی طرح معطّل ہوجاتا ہے۔ اور انسان موت کی حالت سے گونہ مشابہت حاصل کرلیتا ہے۔ پس ان دونوں ائمہ لغت کے نزدیک خدا کے فاعل ہونے کی صورت میں انسان کے لئے توفیّ کا استعمال موت کے مجازی معنے

رکھنے کی وجہ سے اس محل پر موت کے معنوں کو متعین کر دیتا ہے۔ کیونکہ پورا لینا ان کے نزدیک توفّی کے حقیقی معنی ہیں اور حقیقی معنی ہرگز مجازی معنی کے محل پہ مراد نہیں ہوتے۔ پس خدا تعالےٰ کے توفّی کا فاعل ہونے کی صورت میں انسان کی نسبت اس فعل کے استعمال پر اس کے معنے پورا پورا لینے کے محال ہیں۔ اور ائمہ لغت کی شان کے مناسب یہی امر ہے کہ جہاں وہ ایک معنی کے مجازی استعمال کے لئے محل خدا کا فاعل اور انسان کا مفعول بہ ہونا بیان کریں اس محل پر صرف وہی مجازی معنے مراد لیں۔ نہ کہ کوئی دوسرے معنے جو حقیقی ہوں۔ پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا انعامی چیلنج ان لغت کے حوالوں کے مطابق ہے کہ اس محلِ استعمال پر توفّی کے معنے صرف قبضِ روح اور موت کے ہوتے ہیں۔ اور اس استعمال کے خلاف پورا لینے یعنی روح مع الجسم کے لینے کی مثال پیش کرنے والے کو ہی آپ نے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے کیا کسی میں جرأت ہے کہ ایسی مثال پیش کر کے انعام حاصل کر سکے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔

ایک ضروری بات اس جگہ اس امر کا بیان کرنا از بس ضروری ہے کہ ان شروط ثلاثہ کی موجودگی میں توفّی کے مجازی معنی موت ایک محاورہ زبان بن کر حقیقت کا رنگ پکڑ گیا ہے توفّی کا اپنے مجازی معنے موت میں استعمال ایسے لفظ کے مجازی استعمال کی طرح نہیں جو محاورہ نہ بن چکا ہو۔ محاورہ کلام من حیث اللغت کو مجاز ہو

عرف عام میں وہ ایک حقیقت ہی بن جاتا ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کا ایک سوال | توفّی کے شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں ائمہ لغت نے موت کو مجازی معنیٰ قرار دیا ہے

اس پر مولوی عنایت اللہ صاحب سوال کرتے ہیں:۔

شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں جب ائمہ لغت موت کو مجازی معنیٰ قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں حقیقی معنیٰ کیا ہوں گے؟

اور پھر خود ہی جواب دیتے ہیں:۔

وہی جو کہ مجدّدِ وقت مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم کیا کرتے تھے۔ ورنہ حقیقت کا ابطال لازم آئے گا جو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ (کبیل الموفّی صفحہ ۹)

ہمارا جواب | مولوی عنایت اللہ صاحب کا یہ سوال بھی طفلانہ ہے اور اس کا خود ہی انہوں نے جو جواب دیا ہے وہ سوال سے بھی بڑھ کر طفلانہ ہے۔

کیونکہ شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں جب ائمہ لغت موت کو مجازی معنیٰ قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں حقیقی معنیٰ کیا ہوں گے؟ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں توفّی کے استعمال پر اس لفظ کے حقیقی معنیٰ جو پورا لینے کے ہیں ہرگز ہرگز اس محل پر چسپاں ہی نہیں ہوں گے کیونکہ مجازی معنیٰ کے محل پر حقیقی معنیٰ کا اطلاق محال ہوتا ہے لہٰذا مجاز کے محل پر حقیقت کا استعمال نہ ہو سکنے سے حقیقت کا ابطال

لازم نہیں آیا کرتا۔ کیونکہ حقیقی معنی دوسرے مقام پر صرف اپنے محل ہی پر چسپاں ہوں گے نہ مجازی معنی کے محل پر۔ مجازی استعمال کا محل اور ہوتا ہے اور حقیقی کا اور۔

قاضی بیضاوی کے معنوں کی حقیقت

اس کے بعد مولوی عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

قاضی بیضاوی سورۂ مائدہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

التوفّی قبض الشیٔ وافیًا والموت نوعٌ منہٗ۔

یعنی توفّی کسی شے کے پورا لینے کو کہتے ہیں اور موت توفّی کی ایک نوع یعنی قسم ہے۔

اس حوالہ سے مولوی عنایت اللہ صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ :-

"صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں بھی دیگر انواع و معانی کا احتمال موجود ہوتا ہے ورنہ شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں موت کو نوعی معنی قرار دینا صریحًا غلط ہوگا۔ جو ائمہ لغت کی شان سے بعید ہے"

ہم اس نتیجہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اگر قاضی بیضاوی کے اس قول میں عرف عام کے لحاظ سے توفّی کے مجازی معنی موت کو توفّی کی ایک نوع قرار نہیں دیا گیا۔ تو علامہ زمخشری اور صاحب تاج العروس کے قول کے خلاف قاضی بیضاوی کا موت کو توفّی کی نوع قرار دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ موت بھی توفّی کے حقیقی معنی ہیں نہ کہ مجازی۔ اس صورت میں

تو فی کے دو حقیقی لغوی معنی قرار پائینگے ایک حقیقی معنی کسی شے کے پورا لینے کے اور دوسرے حقیقی معنے موت کے۔ اس صورت میں لفظ توفی دو حقیقی معنوں میں مشترک قرار پائے گا۔

ایک ضروری سوال اب اس جگہ ایک ضروری سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی محل پر تو فی مصدر سے کوئی فعل استعمال ہو تو ہم کس طرح امتیاز کریں گے کہ اس جگہ ان دونوں حقیقی معنوں سے پورا لینے کے معنی مراد ہیں یا موت کے معنی مراد ہیں؟ اس صورت میں بطور اہل لغت ہمارا جواب یہ ہے کہ اس جگہ قرینہ سے دونوں معنوں میں سے ایک معنی مخصوص ہوں گے۔ موت کے معنوں کے لئے قرینہ خدا کا فاعل ہونا اور انسان کا مفعول بہ ہونا ہوگا۔ اور کسی غیر ذی روح امر جیسے حق اور مال وغیرہ کے لئے استعمال کی صورت اسکے پورا پورا لینے کے معنوں کے لئے قرینہ ہوگی۔

اور اہل منطق کے طریق پر اس کا جواب یہ ہے کہ جب توفی کی دو نوعیں حقیقی بننے سے توفی جنس بن گیا تو ان دونوں نوعوں کی الگ الگ تعیین ان کی فصلوں کے ذریعہ سے ہوگی۔ پس ہم کہتے ہیں جہاں پر خدا تعالےٰ تو فی کے فعل کا فاعل ہو اور ذی روح مفعول بہ ہو تو ذی روح کا مفعول بہ ہونا توفی کے معنی موت کی نوع کی تعیین کے لئے فصل ہوگا۔ اور اس جگہ یہ فصل موت کے معنی متعین اور مخصوص کر دے گی۔ اور جہاں پر کوئی غیر ذی روح شے اس کا مفعول بہ ہو۔

مثلاً حق وغیرہ مفعول بہ ہو۔ تو یہ مفعول بہ پورا لینے کے نوعی معنوں کے لئے فصل کا کام دے گا۔ اور اس جگہ پورا لینے کے معنے مخصوص اور متعین ہو جائیں گے۔ مثلاً جب کوئی یہ کہے۔ توفی اللّٰہ زیداً۔ تو اس کے معنی ہوں گے اللہ تعالےٰ نے زید کو مار دیا۔ کیونکہ زید اس جگہ مفعول بہ بطور ذی روح موت کے نوعی معنوں کی فصل ہے۔ اور جب کوئی کہے توفیت منہ حقی تو اس جگہ یہ معنی ہوں گے کہ میں نے اس سے اپنا حق پورا لے لیا۔ اور ان دونوں صورتوں میں توفی کے دو عمر نوعی معنوں پورا لینے کی بجائے ذی روح اور حق فصل بن گئے۔ اور پورا لینے کے معنوں کے لئے توفی کو مخصوص اور متعین کر دیں گے۔

قاضی بیضاوی اور توفی کے معنے

قاضی بیضاوی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں قرآن مجید میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے الفاظ کی تاویل محض اپنے رسمی عقیدہ حیات مسیح کی خاطر رَفع اِلَی السَّمَآء کی ہے۔ ورنہ قرآن مجید میں جہاں خدا تعالےٰ کے فاعل اور ذی روح کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں توفی کا کوئی فعل استعمال ہوا ہے وہاں انہوں نے اس کے معنی موت ہی مراد لئے ہیں حتّٰی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۃ یونس اور سورۃ رعد اور سورۃ مومن کی تینوں آیتوں اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ میں نَتَوَفَّیَنَّکَ کے

معنی ہم تجھے وفات دیں ہی مراد لئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یونس کی اس آیت کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:-

(وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ) نبصرك (بعض الذي نَعِدُهُمْ) من العذاب في حياتك كما اراه يوم بدر (اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ) قبل اَنْ نُرِيَكَ (فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ) فَنُرِيكَهُ فِي الآخِرَةِ"

(تفسیر بیضاوی جلد ۳ صفحہ ۹۴ مطبوعہ مصر)

یعنی ہم تجھے (اے نبیؐ) ان مشرکوں سے موعود عذاب کا کچھ حصّہ تیری زندگی میں دکھا دیں۔ جیسا کہ بدر میں آپؐ کو ان کا عذاب دکھا دیا۔ یا تجھے موعود عذاب دکھانے سے پہلے وفات دیدیں۔ تو بھی انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پس ہم تجھے وہ عذاب آخرت میں دکھا دیں گے

اس جگہ شروط ثلاثہ کی موجودگی میں قاضی بیضاوی نے توفّی کے معنے موت مراد لئے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی توفّی کے کسی فعل کا استعمال کسی انسان کے لئے ہوا ہے۔ وہاں انہوں نے اس کے معنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیتوں کے سوا موت کے معنے ہی لئے ہیں۔ لہٰذا اگر قاضی بیضاوی یا کوئی اور مفسّر جو توفّی کے معنی باقی آیات میں موت کے قرار دیتا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام سے متعلقہ آیات میں موت قرار نہ دے بلکہ ان کی تاویل کرے تو یہ صرف اپنے حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو سہارا دینے کے لئے ایسا کرتا ہے ورنہ

محاورہ زبانِ عربی اسے اس مقام پر زندہ انسان کو روح معہ جسم اٹھا لینے کے معنوں کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ محاورہ زبان عربی میں ایسا استعمال موجود ہی نہیں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کی دریافت کردہ حدیث

توفی کے متعلق لغوی تحقیق پیش کرنے کے بعد اب ہم مولوی عنایت اللہ صاحب کی دریافت کردہ حدیث کا جائزہ لینا چاہتے ہیں:-

مولوی عنایت اللہ صاحب نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے چیلنج کے خلاف نبوت ۲۲۳ میں لکھا ہے:-

بزاز طبرانی ابن حبان میں بروایت عبداللہ بن عمرؓ ایک سائل کے جواب میں ارشاد نبویؐ ہے۔ واذا رمی الجمار لا یدری احد ماله حتی یتوفاه الله یوم القیامه الحدیث بطوله:- جب حاجی جمروں کو کنکری مارتا ہے تو اسے اس کا اجر و ثواب معلوم نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب قیامت کے دن اللہ پاک اسے اس کار خیر کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا یعنی یہ کہ اسے ایسی بہترین جگہ اور نعمتوں میں لائیگا جن کا اسے وہم و خیال تک بھی نہیں تھا تب اسے معلوم ہوگا کہ اس کا یہ اجر و ثواب ہے۔

اس حدیث نبوی میں بھی شرائط ثلاثہ موجود ہونے پر موت کا ترجمہ ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ توفی قیامت

کو ہوگی۔" (کیل الموتی ص۵)

مولوی صاحب نے اس حدیث کا تشریحی ترجمہ کرنے کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے۔ اس کی عبارت کو ہم نے جلی کر دیا ہے۔ ان کے اس پیش کردہ نتیجہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث میں بیان کردہ توفی قیامت کو ہوگی۔ اس لئے اس کا ترجمہ موت درست نہیں۔ اس نتیجہ کے پیش کرنے سے پہلے حدیث کے الفاظ حتّٰی یتوفاہ اللّٰہ کا آپ نے ترجمہ یہ کیا ہے "جب قیامت کے دن اللہ پاک اسے اس کارِ خیر کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔"

ثبوت کا ردّ یہ حدیث حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے مطالبہ کو بدیں وجوہ پورا نہیں کرتی:۔

اوّل جب بقول مولوی عنایت اللہ صاحب اس توفّی کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔ تو پھر یہ حدیث کسی صورت میں بانئ احمدیت کے چیلنج کے مقابلہ میں پیش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی توفّی جو زیر بحث ہے وہ دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس دنیا میں انسان کی توفّی کی قرآن مجید نے دو ہی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ اوّل موت دوم نیند۔ لہٰذا اگر اس حدیث میں بقول مولوی عنایت اللہ صاحب قیامت کے دن کی توفّی مذکور ہے تو ان کا اس حدیث کو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے چیلنج کے جواب میں پیش کرنا کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ مطالبہ در اصل دنیا میں انسان کی توفّی سے تعلق رکھتا ہے۔

اور اس مثال کا تعلق بقول مولوی عنایت اللہ صاحب آخرت کی توفی سے ہے۔

دوم:۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مطالبہ یہ ہے کہ توفی کا استعمال قرآن وحدیث یا اقوالِ عرب سے روح کو جسم سمیت قبض کرنے کے معنوں میں دکھایا جائے اس حدیث کے الفاظ حتّٰی یتوفاہ اللہ یوم القیامۃ کا ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب نے "جب اللہ پاک قیامت کے دن اسے اس کا خیر کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا" کیا ہے۔ پس اگر یہ معنی بفرض محال درست بھی سمجھے جائیں۔ تب بھی یہ حدیث حضرت اقدسؑ کے مطالبہ کو پورا نہیں کرتی۔ کیونکہ اس حدیث میں شروط ثلاثہ کی موجودگی میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے توفی کا استعمال روح مع جسم قبض کرنے کے معنوں میں پیش نہیں کیا۔

سوم توفی کے معنے اس حدیث میں اجر و ثواب دینا درست نہیں کیونکہ جیسا کہ ہم لغت کے حوالوں سے دکھا چکے ہیں توفی کے بنیادی معنے اخذ الشیٔ وافیًا کے ہیں یعنی کسی شے کا پورا لینا۔ اس کے معنے اعطاء الشیٔ وافیًا یعنی کسی شے کا پورا دینا از روئے لغت درست نہیں۔ پس جب توفی کے معنی از روئے لغت عربی کسی چیز کا دینا ہو ہی نہیں سکتے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو افصح العرب تھے توفی کا لفظ پورا اجر و ثواب دینے کے معنوں میں کہاں استعمال فرما سکتے تھے۔ عربی زبان میں توفیہ باب تفعیل کے معنے پورا دینا ہیں لغت نویس

توفّی کو توفیہ کا مطاوع قرار دیکر اسکے معنی پورا لینا ہی بیان کرتے ہیں۔ اگر توفّی کے معنی اس حدیث میں پورا دینا ہوتے تو پھر اس کا مفعول ثانی اجرہٗ یا ثوابہٗ بھی مذکور ہوتا۔ جیساکہ توفیہ باب تفعیل کے استعمال میں قرآن مجید میں ان کا مفعول ثانی اجر وحساب وغیرہ آئے ہیں۔ چنانچہ یوفّی الصابرون اجرھم اور فوفّاہٗ حسابہ وغیرہ آیات اس پر شاہد ناطق ہیں۔

ہمارا چیلنج

ہم بڑی تحدّی کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ مولوی عنایت اللہ صاحب اپنے معنوں کو درست ثابت کرنے کے لئے کسی لغت عربی کی کتاب کا کوئی حوالہ توفّی کے معنی پورا دینا نہیں دکھا سکتے۔ خود انہوں نے لغت کے جو معنے پیش کئے ہیں ان میں بھی اس کے معنی پورا دینا کی بجائے پورا لینا لکھے ہیں جیساکہ قبل ازیں ثابت کیا جا چکا ہے۔ پھر جب توفّی کا لفظ لغت عربی میں پورا دینے کے معنوں میں استعمال ہی نہیں ہوتا تو اس حدیث میں توفّی کا مفعول ثانی اجرہٗ یا ثوابہٗ مقدر بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے حدیث کے کچھ معنی نہیں رہتے۔ لہٰذا مولوی عنایت اللہ کے معنی سراسر باطل ہیں۔

حدیث کے صحیح معنی

ہمارے نزدیک اس حدیث میں ان معنوں کا ہرگز احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ متن اگر صحیح طور پر مروی ہوا ہے اور راوی سے ترتیب الفاظ میں بھول نہیں ہوئی تو پھر اس کے الفاظ حتّی یتوفّاہ اللہ بطور جملہ معترضہ کے ہیں اور یوم القیامۃ

کے الفاظ ان کا ظرف نہیں بلکہ لا یدری مالہ کے متعلق ہیں۔ اور معنی حدیث کے یہ ہیں کہ حج میں جمروں کو کنکری مارنے والا نہیں جانتا کہ اس کے لئے قیامت کے دن کیا اجر ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ اسے وفات دے دے۔ یعنی وفات پانے پر عالم برزخ میں خدا تعالےٰ کے اس سے اچھے سلوک پر اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس کا یہ عمل مقبول ہو چکا ہے۔ اور خدا تعالےٰ قیامت کے دن اس کی سب سے بڑی خواہش پوری کر دے گا۔

"سب سے بڑی خواہش پوری کر دے گا" کے الفاظ ہم نے تشریحی ترجمہ میں اس لئے لکھے ہیں کہ دوسری حدیثوں میں جو رمی جمار سے تعلق رکھتی ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

تجد ذالك عند ربك احوج ما تكون اليه۔

یعنی جب تو رمی جمار کرے تو اپنے رب کے پاس اس چیز کو پائے گا جس کی تجھ کو سب سے زیادہ حاجت ہو گی۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے

اما رميك الجمار فلك بكل حصاة رميتها تكفير كبيرة من الموبقات۔

کہ تیرے رمی جمار کرنے پر تیرے لئے ہر کنکری کے بدلے جسے تو نے پھینکا ہو ایک کبیرہ مہلک گناہ کی مغفرت ہو گی۔

ایک تیسری حدیث میں ہے:۔

اذا رمیتَ الجمارَ کان لک نورًا یوم القیامۃ

کہ جب تو رمی جمار کرے تو تیرے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

ان تینوں حدیثوں میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود رمی جمار کرنے والے کا ثواب و اجر بیان کر دیا ہے۔ پس جو رمی جمار کرنے والا ان حدیثوں سے واقف ہو اسے تو قیامت سے پہلے اس کا ذخیرہ ثواب و اجر کا علم حاصل ہو جائے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر زیر بحث حدیث کے الفاظ لا یدری احدٌ مالہٗ یوم القیامۃ سے مراد ایسے شخص کے حق میں کیا ہوگی۔ کیونکہ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ قیامت کے دن تک نہیں جانتا کہ اس کے لئے کیا نعمت مقدر ہے اس کا جواب یہ ہے۔ ایسے شخص کو نعمت کا علم تو ہو جائے گا کہ اس کے گناہ کبیرہ معاف ہوں گے۔ (جبکہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو چکا ہو) یا اس کی سب سے بڑی حاجت پوری ہوگی۔ یا اسے قیامت کے دن نور ملے گا۔ مگر اجر کا علم حاصل ہونے کے باوجود وہ چونکہ اس کی کیفیت کا علم بلحاظ کامل لذت و سرور نہیں رکھتا ہوگا۔ اس لئے زیر بحث حدیث میں لا یدری احدٌ مالہٗ کے الفاظ فرمائے گئے۔ کیونکہ رمی جمار کے متعلق ایک چوتھی حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"اما رمیک الجمار قال اللہ عزّ وجلّ فلا تعلم نفسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

یعنی آپؐ نے سائل کے جواب میں فرمایا۔ تیرے رمی جمار کے ثواب کی ٹھیک کیفیت تو کسی کو معلوم نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان مخفی رکھا گیا ہے۔

پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک اور حدیث میں اس جنت کے انعامات کی کیفیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

صالا عین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علیٰ قلب بشر۔

کہ ان انعامات کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں ان کا گذر ہوا ہے۔ پس حدیث میں بیان شدہ ناواقفی جنت کے انعامات کی کیفیت کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ جنت کے انعامات کی تفصیل تو خود قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔

ان حدیثوں کی روشنی میں زیر بحث حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ جب کوئی رمی جمار کرے تو کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کے دن اس کا کیا اجر ہوگا (بلحاظ کیفیت کے) یہاں تک کہ خدا تعالےٰ اسے دانت دیدے یعنی وفات پر اسے عالم برزخ میں خدا کے اس سے نیک سلوک سے جنت کے انعامات کی کیفیت کا کچھ علم ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ۔ کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جب عالم برزخ میں بھی مومن کو جنت کے

باغوں میں سے ایک باغ مل جاتا ہے۔ تو اس جنت میں اسے ان نعماءِ جنت کی کیفیت کا ایک حد تک اندازہ ضرور ہو جاتا ہے جو اسے نہایت (بہشت) کچھ دن ملنے والی ہیں۔

چہارم۔ اس روایت کی تصحیح نقل بھی ضروری ہے۔ مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس حدیث کی پوری سند کہیں درج نہیں کی۔ تا راویوں کے لحاظ سے اس کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ ہو سکتا۔ پس ان کا اس حدیث کو بلا پوری سند کے پیش کرنا ان کے ثبوت کو اس پہلو سے بھی نامکمل قرار دے رہا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ پہلے پوری سند پیش کر کے اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کریں۔ پھر اپنے معنوں کو از روئے لغت درست ثابت کریں۔ تب وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اس حدیث میں توفّی کا لفظ شرط ثلاثہ کی موجودگی میں موت کی بجائے اجر و ثواب دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چونکہ از روئے لغت ان معنوں کا درست ثابت کرنا محال ہے اس لئے ان کے توفّی کے معنی اجر و ثواب دینے کے باطل ہیں۔

پنجم:۔ اس روایت کی تصحیح نقل اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کا متن مشکوک ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امسال ہمارے ایک محترم احمدی دوست مولوی حکیم عبداللطیف صاحب شاہد گجراتی حال لاہور حج بیت اللہ سے واپسی پر مدینہ منورہ سے ایک کتاب خرید کر لائے ہیں۔ جس میں اس کے فاضل مؤلف نے حج کے متعلق ضروری احادیثِ نبوی کو

جمع کر دیا ہے۔ اور اس کتاب کا نام "بغیہ الحجاج الابرار فی مناسک الحج والاعتمار علی مذاہب الائمہ الاخیار" رکھا ہے۔

فاضل مؤلف کا نام و پتہ یہ " محمد المکی آل عبد القادر الاربلی الکردی بوزارۃ الدفاع والماذون الشرعی بالمحاکم القفنائیہ" ہے۔ اسے الشرکۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہٗ نے شائع کیا ہے۔

فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بحوالہ ابن حبان عن ابن عمرؓ زیر بحث روایت ان الفاظ میں درج میں درج کی ہے:-

" اذا رمی الجمار لم یدر احد ماله حتّٰی یتوفاہ اللہ الی یوم القیامۃ "

اس روایت میں لم یدر ہے۔ اور مولوی عنایت اللہ صاحب کی روایت میں لا یدری۔ پھر اس روایت میں یوم القیامۃ سے پہلے الی ہے اور مولوی عنایت اللہ صاحب کی روایت میں الی نہیں۔ ۱۹ ۴۲ کو گجرات میں ایک ملاقات کے وقت میری دریافت پر مولوی عنایت اللہ صاحب نے بتایا کہ انہوں نے یہ حدیث ترغیب ترہیب للمنذری سے نقل کی ہے۔ طبرانی اور ابن حبان کی اصل کتابیں ان کے پاس نہیں۔

ترغیب و ترہیب میں واقعی یوم القیامہ سے پہلے الی نہیں۔ اور منذری نے اس جگہ لکھا ہے کہ یہ حدیث ابن حبان کے الفاظ میں درج کی گئی ہے۔ مگر بغیۃ الحجاج کا مؤلف بھی اپنی روایت کو

ابن حبان کے حوالہ سے درج کرنے کا مدعی ہے۔ دونوں روائتوں کے اس اختلاف نے حدیث کا متن مشکوک کر دیا ہے۔ اس حدیث میں یوم القیامۃ سے پہلے الیٰ کی موجودگی بھی اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ الیٰ یوم القیامۃ حتّٰی یتوفّاہُ اللہ کے فعل توفّی سے متعلق نہیں بلکہ لم یدر احد مالہ کے فعل لم یدر سے متعلق ہے۔ اور حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جب کوئی رمی جمار کرے۔ تو قیامت کے دن تک کوئی نہیں جانتا کہ اس کے لئے کیا اجر ہے۔ یہاں تک کہ خدا اسے وفات دے دے۔ یعنی وفات پر اسے اس کے اجر کی کیفیت کا کچھ علم ہو جائے گا۔ اگر الیٰ یوم القیامہ کو توفی سے متعلق قرار دیا جائے اور توفی کے معنے اجر بنا لئے جائیں تو اس حدیث کے معنے یہ بن جاتے ہیں کہ جب کوئی رمی جمار کرے تو کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے لئے کیا اجر ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے قیامت کے دن تک اس کا اجر دیدے۔ یہ معنی مولوی عنایت اللہ صاحب کو بھی مسلّم نہ ہوں گے۔ کیونکہ رمی جمار کے متعلق دوسری حدیثیں بتاتی ہیں کہ ان کا اجر قیامت کو ملے گا نہ قیامت کے دن سے پہلے۔

ششم:۔ مولوی عنایت اللہ صاحب نے اپنے معنوں کی تائید میں بعض علمائے عرب کے فتاوی بھی نقل کئے ہیں۔ میں نے ان سے ملکر ان کی تصحیح کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ فتاوی تلاش کر کے تصحیح نقل کرا دونگا ان سے ملاقات کے کئی دن بعد میں نے انہیں رجسٹری خط لکھا کہ تصحیح

نقل کے لیئے تاریخ بتائیں مگر افسوس کہ انہوں نے خود خط کا جواب نہیں دیا۔ اور کسی شخص عبدالکریم کی طرف سے ایک بیرنگ خط بھجوا یا ہے اور اس میں میری باتوں کا جواب دینے اور تصحیح نقل سے انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا ان فتاوی کے متعلق ہم یہ لکھنے کیلئے مجبور ہیں کہ "دال میں ضرور کچھ کالا موجود ہے" اسی لئے مولوی عنایت اللہ صاحب تصحیح نقل کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ اور وہ اس مسئلہ کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ بہرحال جبکہ وہ فتاوی کی تصحیح نقل کرنے کے لئے تیار نہیں تو گو ان کے بیہودہ فتاوی کالعدم ہیں تاہم ان کی خامی کا بیان کرنا ضروری ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے سب سے پہلے ابوالسمح عبدالظاہر المصری خطیب مکہ کی طرف ذیل کی عبارت منسوب کی ہے:۔

للتوفی معانی ترجع کلها الی استیفاء الشیء واخذه تامًا فقد یرد التوفی بمعنی الموت وغیره وقد ارانی الشیخ عنایت اللہ الوزیرآبادی حدیثًا فیه التوفی من اللہ للانسان ولیس معناه الموت ولا النوم والحدیث اخرجه ابن حبّان والبزار والطبرانی عن ابن عمر مرفوعًا بلفظ اذ رمی الجمار لا یدری احد ماله حتّی یتوفاه اللہ یوم القیامة ای یعطیه اجره یوم القیامة وافیًا تامًّا۔

ترجمہ:۔ اور توفّی کے کئی معنے ہیں ان سب کا مرجع کسی شے کا پورے طور پر لینا اور استیفا ہے۔ پس کبھی اس کے معنے موت وغیرہ ہوتے ہیں۔ مجھے شیخ عنایت اللہ وزیر آبادی نے ایک حدیث دکھائی ہے جس میں اللہ کی طرف سے انسان کی توفّی کا ذکر ہے اور اس کے معنے نہ موت ہیں نہ نیند اور اس حدیث کی ابن حبّان۔ البزاز اور الطبرانی نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً ان لفظوں میں تخریج کی ہے اذ رمی الجمار لا یدری احد ماله حتّٰی یتوفاه الله یوم القیٰمة۔ یعنی اسے قیامت کے دن پورا اجر دیگا"

اس عربی عبارت کے شروع میں و معنی اور اس بات کی غماضی کر رہی ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب نے مفتی کی پوری عبارت درج نہیں کی۔ پھر فتوٰی کی اسی عبارت میں صریح تضاد موجود ہے یہ فاضل مفتی شروع میں تو توفّی کے تمام معانی کا مرجع کسی شے کا پورے طور پر لینا قرار دیتے ہیں مگر آخر میں حدیث کے معنے کرتے ہوئے وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں اور توفّی کے فعل یتوفاہ اللہ کے معنے اسے پورا اجر دے کر دیتے ہیں۔ حالانکہ لغت عربی انہیں ان کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ توفّی کے معنے کسی چیز کا دینا ہرگز نہیں ہوتے۔ اور وہ خود بھی توفّی کے تمام معانی کا مرجع پورا لینا قرار دے چکے تھے۔ نہ کہ پورا دینا تو پھر وہ اجر کو مفعول ثانی محذوف قرار دے کر اس کے معنے اجر دینا کیسے کر سکتے ہیں؟ لہٰذا اس عبارت کا پہلا حصّہ خود آخری حصّہ کو رد کر رہا ہے۔

ایک دوسرے عالم الشیخ الفاضل المحدث محمد بن حسین المدرس فی جامع العکاش بجدہ لکھتے ہیں:-

ان التوفی فی لغۃ القرآن والسنۃ وکلام العرب لفظا مشترک بین الموت والنوم واخذ الشئ وافیا والقرینۃ تخصص احد ھذہ المعانی فیقال توفاہ اللہ بمعنی اماتہ او القی علیہ النوم وبمعنی وفاہ اجرہ کاملا ومنہ قولہ تعالی یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب وقولہ تعالی ووجد اللہ عندہ فوفاہ حسابہ ومنہ ھذا الحدیث الذی کتب علیہ الشیخ ابو السمح اذ یمتنع ان یکون المراد من التوفی بالموت والنوم فان لفظۃ یوم ظرف ومتعلقہ التوفی فھو ظرف یقع فیہ التوفی وھو یوم القیامۃ۔

ترجمہ:۔ بے شک توفی لغتِ قرآن اور سنت اور کلام عرب میں موت نیند اور کسی شے کے پورے طور پر لینے میں مشترک ہے اور قرینہ ان معانی میں سے ایک کو مخصوص کر دیتا ہے۔ پس کہتے ہیں توفاہ اللہ جس کے معنے ہیں اسے موت دی یا اس پر نیند وارد کی۔"

یہاں تک اس فاضل کا بیان بالکل درست ہے کہ توفی کے تین معنی ہیں

موت۔ نیند اور کسی شے کا پورے طور پر لینا ۔ اور قرینہ سے ان میں سے ایک معنی ہر محل پر مخصوص ہونگے۔ آگے وہ اپنے اس بیان کے خلاف فرماتے ہیں:۔

"اور بمعنی اس کو پورا اجر دیا (استعمال ہوتا ہے) اسی سے اللہ تعالےٰ کا قول یوفّی الصابرون اجرھم بغیر حساب اور اللہ تعالےٰ کا قول فوفّاہ حسابہٗ ہے"

اس عبارت میں یہ فاضل توفّی کے پہلے تین معنے موت، نیند اور کسی شے کا پورے طور پر لینا بیان کرنے کے بعد آگے اس کے چوتھے معنی پورا اجر دینا قرار دیتے ہیں مگر ان معنوں کی شہادت میں وہ قرآن شریف سے جو دو آیتیں یُوَفّی الصابرون اجرھم۔ اور فَوَفّاہُ حِسَابَہٗ پیش کرتے ہیں ان میں یُوَفّی اور اوفّاہُ دونوں لفظ توفّی باب تفعّل سے نہیں بلکہ توفیہ باب تفعیل کے فعل ہیں جس کے معنے پورا دینا ہوتے ہیں یُوَفّٰی۔ توفیہ سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد غائب ہے اور وفّا توفیہ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد غائب ہے۔ گویا اس فاضل نے توفّی کے چوتھے معنے اجر دینا ثابت کرنے کے لیئے شہادت میں وہ دو آیتیں پیش کر دی ہیں جن میں توفّی باب تفعّل کا کوئی فعل استعمال ہی نہیں ہوا۔ بلکہ توفیہ باب تفعیل سے دو فعل استعمال ہوئے ہیں پس ان چوتھے معنوں کے لیئے اس فاضل کا استشہاد صریحاً غلط ہے۔ لہٰذا اس غلط استشہاد کی بناء پر زیر بحث

حدیث میں استعمال شدہ توفی کو اجر دینے کے معنوں میں لینا درست نہ رہا۔ مگر فاضل مفتی فرماتے ہیں:۔

الہیٰ معنی ہیں یہ حدیث ہے جس پر شیخ ابو السمح نے لکھا ہے کیونکہ توفیّ سے مراد موت اور نیند (اس جگہ) ممتنع ہے کیونکہ یوم کا لفظ اس جگہ ظرف ہے اور توفیّ سے متعلق ہے پس یوم ظرف ہے جس میں توفیّ واقع ہوگی اور وہ یوم یوم القیامۃ ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان علماء کو ساری غلط فہمی یوم القیامۃ کو توفیّ کا ظرف قرار دینے سے لگی ہے۔ حالانکہ اگر وہ لغتِ عربی کا لحاظ کرتے تو توفیّ کے معنی حدیث ہذا میں پورا دینا یا پورا اجر دینا ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ توفیّ بابِ تفعّل ہرگز ان معنوں کا متحمل نہیں۔ اور یہ امر اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس حدیث میں یوم القیامۃ کو توفیّ کا ظرف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ لا یدری احدٌ ما لہٗ کا ہی ظرف قرار دیا جا سکتا ہے

اسی طرح الفاضل الادیب محمد الطیب بن اسحاق الانصاری المدرس فی جامع المسجد النبوی بالمدینۃ المنورہ کی طرف مولوی عنایت نے یہ عبارت منسوب کی ہے:۔

ان التوفیّ فی لغۃ العرب یصحّ ان یراد بہ الموت والنّومُ والاعطاءُ والاستیفاءُ والقبضُ ویصح

اسناد جمیعها الی الله تعالیٰ فمن زعم انه لا یسند الیه التوفی الا اذا کان بمعنی الموت والنوم فقد جهل لغة العرب واخطاء طریقها :

ترجمہ:- بے شک توفّی سے لغتِ عربی میں موت - نیند - دینا اور پورا لینا اور قبض مراد لینا صحیح ہے اور ان سب کا اسناد اللہ تعالےٰ کی طرف درست ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا اسناد اللہ تعالےٰ کی طرف موت اور نیند کے سوا اور معنوں میں نہیں ہوتا وہ لغتِ عرب سے ناواقف ہے اور غلط راہ پر ہے۔

ہمارا مطالبہ اب ہم مولوی عنایت اللہ صاحب سے جنہوں نے ان فاضلوں کی طرف توفّی کے معنے دینا یا اجر دینا منسوب کئے ہیں مطالبہ کرتے ہیں وہ لغتِ عرب سے ان فاضلوں کے توفّی کے ان معنوں کی تصدیق میں کوئی شہادت پیش کریں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ لغتِ عرب کا کوئی قول ان معنوں کی تائید میں پیش نہیں کرسکتے ولوکان بعضهم لبعضٍ ظهیرًا۔

پس ان علماء کے حدیث زیرِ بحث میں حتّٰی یتوفاہ اللہ کے معنی اجر دینا کرنا صریح غلطی ہے۔ ان کے معنی کی لغتِ عربی ہرگز مؤید نہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں توفّی اعطاء الشئ وافیًا کے معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ ان معنوں میں وفاء سے توفیہ باب تفعیل استعمال ہوتا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اجر

دینے کے مفہوم کو بیان کرنا چاہتے تو حتّٰی یتوفّاہ اللّٰہ کی بجائے حتّٰی یُوَفِّیَہُ اللّٰہُ اَجْرَہٗ کے الفاظ بیان فرماتے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس حدیث کا کنز العمال میں موجود ہونا بھی بیان فرمایا ہے مگر ہمیں کنز العمال حیدر آبادی کے ابواب الحج میں یہ حدیث نہیں ملی بلکہ اس جگہ رمی جمار کے متعلق اور اور روایات درج ہیں۔ پس ان کا یہ حوالہ غلط ثابت ہوا ہے

مولوی عنایت اللہ کی توفّی کے معنوں کے متعلق بناوٹ

جب مولوی عنایت اللہ صاحب کے دماغ میں یہ سمایا کہ توفی کے متعلق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے چیلنج کو رد کریں تو انہوں نے اس کے رد میں نہ صرف رمی الجمار والی حدیث میں توفّی کے معنے بخلاف لغت اجر دینا کر لئے بلکہ اس غرض کے لئے تفسیر بالرائے سے کام لیتے ہوئے قرآن مجید کی کئی آیات میں جہاں توفّی مصدر سے کوئی فعل استعمال ہوا ہے اس کے معنے ہجرت کرانا یا پکڑنا جکڑنا کر دیئے ہیں۔ حالانکہ سورۃ زمر کی آیت اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے کی صورت میں توفّی کا فعل ذوی الارواح کی قبض ارواح کی صورت میں مستعمل ہے۔ یعنی یا تو زندہ انسان کی توفّی موت کے وقت بصورت قبض روح ہوتی ہے یا نیند کے وقت قبض روح کی صورت میں۔ کوئی تیسری صورت قبض الروح مع الجسم

کی قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی۔ حالانکہ اگر تیسری قسم کی توفّی قبض الروح مع الجسم کی بھی اس دنیا میں ہوتی تو یہی آیت اسکے بیان کا محل تھی پس ہجرت کرانا یا پکڑنا ایسے مقام پر معنے نہیں ہو سکتے۔ مگر مولوی عنایت اللہ صاحب کا اپنے ان معنوں کے لئے یہ دعویٰ ہے کہ یہ معنے انہیں خدا نے پڑھائے لکھائے یا سمجھائے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"آج برسوں کے بعد مجھے خیال ہوا کہ توفّی کی بابت اللہ پاک نے اپنے خاص فضل و کرم سے مجھے جو کچھ پڑھایا۔ سکھایا اور سمجھایا ہوا ہے اسے میں لکھ کر ..... شائع کر دوں"

مولوی عنایت اللہ کے ثبوتوں کا جائزہ

ان کے یہ لکھنے کی وجہ سے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم توفّی کے متعلق ان کے ثبوتوں کا گو وہ آیت اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا کے خلاف ہیں ذرا تفصیل سے جائزہ لیں۔

مولوی صاحب نے اپنے ثبوت ۱-۲-۳ میں بلا وجہ توفّی کا استعمال خدا کے فاعل اور ذی رُوح کے مفعول ہونے کی صورت میں نیند کے معنوں میں دکھانے کی کوشش کی ہے حالانکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو توفّی کے معنے نیند کا قرینہ موجود ہونے کی صورت میں سلانے کے یقیناً مسلّم ہیں۔

ثبوت ۱ میں مولوی صاحب نے حضرت ابن عباسؓ کا قول پیش کیا ہے

کہ نیند کی صورت میں قبض رُوح جسم کے اندر ہی ہوتا ہے ہمیں ان کا یہ قول بھی مسلّم ہے۔

ثبوت ۲ میں آیت هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ میں ہمیں رات کے قرینہ کی وجہ سے توفّی کے فعل کا نیند کے معنوں میں استعمال مسلّم ہے۔

ثبوت ۳ میں سورۃ زمر کی آیت اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا پیش کی گئی ہے اس میں بھی ہمیں تَوَفّٰی کے معنے منام کے قرینہ سے نیند مسلّم ہیں۔ مگر اس آیت میں خدا تعالےٰ نے اس دنیا میں زندہ انسان کی توفّی کی دو ہی صورتیں بیان کی ہیں۔ اوّل موت کے وقت قبض روح کی صورت اور دوسری نیند کے وقت قبض روح کی صورت۔ کوئی تیسری صورت توفّی کی قبض الروح مع الجسم کی بیان نہیں کی۔

پس ان کے پیش کردہ ثبوت ۳ کی یہ آیت ان کے تمام اگلے ثبوتوں میں بیان کردہ معنوں کو اصولی طور پر ردّ کر رہی ہے۔

ثبوت ۴-۵-۶ میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے سورۃ یونسؑ رعد اور مومن میں نازل شدہ آیت اِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ کی تفسیر تمام مفسرین امّت کے برخلاف یہ کی ہے:۔

"اگر ہم تیری مکّی زندگی میں تیرے روبرو اہلِ مکّہ پر عدہ شدہ

عذاب بھیجدیں تو ہم ایسا کر سکتے ہیں یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ ہم تجھے یہاں سے مدینہ منورہ لے چلیں اور تیرے ہجرت کے بعد انہیں عذاب کریں تو ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں۔" (کپل الموتی ص ۳۵)

گویا اس جگہ نَتَوَفَّیَنَّکَ کے معنے مولوی عنایت اللہ صاحب نے ہجرت کرا دیں کئے ہیں۔ مولوی عنایت اللہ صاحب کے معنے درست ماننے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مکہ کے مشرکین پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عذاب کا آنا ممکن تھا مگر یہ بات تو صریح غلط ہے کیونکہ اللہ تعالے قرآن مجید میں فرماتا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (انفال آیت ۳۴) کہ خدا ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ (اے نبیؐ) تیری ان (مکہ والوں) میں موجودگی میں ان پر عذاب نازل کرتا۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ مکہ کے مشرکین کے درمیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ان کے لئے ایک امان کی صورت رکھتی تھی اور خدا تعالے آپؐ کے اعزاز میں مکہ میں ان پر عذاب نازل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پس مولوی عنایت اللہ صاحب کا اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ کا ترجمہ "اگر ہم تیری مکی زندگی میں تیرے رُوبرو اہل مکہ پر وعدہ شدہ عذاب بھیج دیں" اوپر کی بیان کردہ آیت کے رُو سے بالکل غلط قرار پاتا ہے۔ جب یہ غلط ثابت ہو گیا تو اس آیت کا تعلق ہجرت کے بعد کفار و مشرکین پر عذاب نازل کرنے کی صورت سے ثابت ہو گیا اور اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ کے معنی یا تجھے ہجرت کرا دیں بھی غلط ہو گئے کیونکہ

آیت کا تعلق ہجرت کے بعد کے زمانہ سے ثابت ہوگیا ہے اس طرح توفی کے معنی اس آیت میں ہجرت کی بجائے وفات دینا متعین ہوگئے اور پوری آیت کا تعلق مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ الآیۃ کو ملحوظ رکھ کر ہجرت کے بعد کے زمانہ سے ہی قرار دینا پڑا اور معنی یہ ہوگئے کہ

اگر ہم تجھے (بعد از وقوع ہجرت) ان مشرکوں سے موعود عذاب کا کچھ حصہ زندگی میں دکھا دیں تو ہم ایسا کر سکتے ہیں یا پھر تجھے وفات دیدیں۔ تو بعد میں ان پر عذاب نازل کریں گے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب خود اپنی کتاب کے ص۲۵ پر لکھتے ہیں :-

"بحوالہ عبد بن حمید ابن جریر ابن منذر ابن ابی حاتم عطیہ سے مروی ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی المشرکین حتی یخرجک یعنی جب تک تجھے مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ نہ کر دیا جائے ان مشرکوں کو عذاب نہ ہوگا" (کیل الموتی ص۲۵)

مگر خود یہ حوالہ پیش کرنے کے باوجود مولوی عنایت اللہ صاحب آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ کو نظر انداز کر کے اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ والی آیت میں مشرکوں پر عذاب کا نزول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں رہتے ہوئے قبل از ہجرت ممکن قرار دیتے ہیں۔ پھر وہ خود ہی ایک اور روایت یوں

لکھتے ہیں :-

ابن جریر ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن ابزیٰؓ سے مروی ہے کہ آیت کریمہ وَاَنْتَ فِیْهِمْ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ پھر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تب بھی عذاب ملتوی رہا۔ کہ استغفار کا دروازہ کھلا ہے، جوکہ دوسری امان ہے مگر جب انہوں نے آپؐ کا تعاقب کرتے ہوئے نعمت الٰہی (عذاب الٰہی۔ ناقل) کو ناپسند کیا۔ تو پھر آیت کریمہ کا وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ نازل ہوئی تو انہیں عذاب ہوا۔" (کیل الموفیٰ صفحہ ۲۶،۲۵)

پس مکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا مشرکوں کے لئے امان تھی لہذا آیت اِمَّا نُرِیَنَّكَ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کا عذاب دکھانے کا تعلق مکی زندگی سے نہ تھا بلکہ بعد از ہجرت کی مدنی زندگی سے تھا لہذا اَنْتَوَفَّیَنَّكَ کے معنے مجھے ہجرت کرا دیں بالکل غلط ہیں۔

ثبوت ملا میں مولوی ثنا اللہ صاحب نے آیت فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ پیش کر کے نَذْهَبَنَّ کے معنی تجھے یہاں سے مدینہ منورہ لے چلیں کر کے نَذْهَبَنَّ بِكَ کے الفاظ کو اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ کی قرآنی تفسیر قرار دیا ہے۔ حالانکہ نَذْهَبَنَّ بِكَ کے معنے بھی اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ کے مطابق مجازاً تجھے دنیا سے لیجائیں

یعنی وفات دیں ہی ہیں بالفرض اگر اس کے معنی مکہ سے مدینہ لے جائیں
کئے جائیں تو پھر بھی اس آیت کا مفہوم بالآخر یہی بنتا ہے کہ پھر تجھے ساری
زندگی ان سے موعود عذاب نہ دکھائیں تو ہم بے شک ان سے ضرور
انتقام لینے والے ہیں یعنی تمہاری وفات کے بعد ان سے انتقام لے
لیں گے۔ کیونکہ اس کے بعد اس کی متبادل صورت اَوْ نُرِيَنَّكَ مَا
وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ بیان ہوئی ہے یعنی
یا ہم تجھے ان سے موعود عذاب دکھائیں تو بے شک ہم ان پر (عذاب
بھیجنے کی) قدرت رکھنے والے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ عذاب دکھانے
کی صورت حسب آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ
مکہ کی زندگی میں نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ بعد از ہجرت ہی ہو سکتی تھی۔
پس نَذْهَبَنَّ بِكَ کے معنی اگر ہجرت بھی کئے جائیں تو اس حصہ
آیت کے یہی معنی ہوں گے کہ اگر ہم تجھے مکہ سے مدینہ لے جائیں اور
ساری عمر عذاب نہ دکھائیں تو آپ کی وفات کے بعد ان سے ضرور انتقام
لینے والے ہیں ساری عمر عذاب نہ دکھائیں کا مفہوم اس آیت کی تفسیر
میں اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ عذاب دکھانے کی صورت اس کے بعد
کی آیت کی متبادل صورت اَوْ نُرِيَنَّكَ میں بیان ہوئی ہے جس سے ظاہر
ہے کہ پہلی صورت زندگی میں عذاب نہ دکھانے کی ہے۔ ورنہ یہ صورتیں
متبادل نہیں رہتیں حالانکہ آیت ھذا جملہ شرطیہ ہے جس میں دو متبادل
صورتیں ہجرت کے بعد عذاب نہ دکھانے یا دکھانے کی بیان ہوئی ہیں

اگر پہلی صورت وقوع میں آتی تو ہجرت کے بعد ساری زندگی وفات تک عذاب نہ دکھانے کی صورت میں وقوع میں آتی۔ پس مولوی عنایت اللہ صاحب کو نَذْهَبَنَّ بِكَ کے ہجرت کے معنی کوئی فائدہ نہیں دے سکتے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عذاب نہ دکھلانے کا تعلق پھر ہجرت کے بعد کی ساری زندگی سے موت تک رہتا ہے پس نَذْهَبَنَّ بِكَ کے تجھے مکہ سے مدینہ لے جائیں کے پُر تکلف معنی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ ہم تجھے دنیا سے لے جائیں۔ اس صورت میں یہ آیت اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ کے مطابق بھی ہو جاتی ہے۔ اور اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ نَذْهَبَنَّ بِكَ کے الفاظ کی وفات کے معنوں میں تفسیر بھی قرار پاتی ہے۔

مولوی عنایت اللہ کی غلط بیانی

مولوی عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یونس۔ رعد۔ مومن ہر سہ سورتوں میں ارشاد الٰہی نَتَوَفَّيَنَّكَ کا ٹھیک مطلب وہی ہے جو سورۃ زخرف کی مکی صورت میں بالفاظ نَذْهَبَنَّ بِكَ بیان ہوا ہے۔ جو موت پر کسی طرح دال نہیں بلکہ صاف صریح طور پر ہجرت ہی مراد ہے۔" (کیل الموتیٰ صفحہ ۲۶-۲۷)

عبارت کا پہلا حصہ درست ہے۔ کیونکہ مفسرین نے دونوں جگہ وفات کے معنے مراد لئے ہیں۔ مگر خط کشیدہ عبارت بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ہم

ثابت کر چکے ہیں کہ نَذْهَبَنَّ بِكَ کی تفسیر اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ کے الفاظ وفات کے معنوں میں ہی ہیں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

"تفسیر فتح البیان میں ارشاد الٰہی کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے نخرجنك من مكة کہ ہم تجھے مکہ سے کسی دوسری جگہ لے جائیں تو ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں اور تفسیر مواہب الرحمٰن میں اس جگہ ہجرت کا ذکر کیا ہے۔ اور تفسیر ترجمان القرآن میں تجھے مکہ سے نکال لیں تو بے شک ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ اور تفسیر حقانی میں بھی اسے ہجرت پر محمول فرمایا ہے۔ اور تفسیر روح المعانی میں نَذْهَبَنَّ بِكَ اور نَتَوَفَّيَنَّكَ کو ہم معنے قرار دے کر والقرآن یفسر بعضه بعضاً فرمایا ہے کہ یہ الٰہی تفسیر ہے جو سب پر فائق ہے۔"

(کیل الموفی صفحہ ۲۷)

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ مولوی عنایت اللہ کا صریح جھوٹ ہیں۔ ہاں مفسرین نے نَذْهَبَنَّ بِكَ کے ایک دوسرے احتمالی معنی اپنی تفسیروں میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی کسی دوسرے مفسر کی طرف سے بیان کئے ہیں۔ مگر ان معنوں کو ترجیح نہیں دی بلکہ نَذْهَبَنَّ بِكَ کے معنے تجھے دنیا سے لے جائیں کر کے وفات کے معنوں کو اختیار کیا ہے اور نَذْهَبَنَّ بِكَ کے کسی شخص کے احتمالی

معنی ہجرت بھی نقل کئے ہیں اور یہ میں بتا چکا ہوں کہ نُذْهَبَنَّ بِكَ کے معنے ہجرت لیکر بھی اس آیت کا تعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں مشرکین کا عذاب نہ دکھانے مکہ وفات کے بعد انہیں عذاب دیا جانے کی صورت سے متعلق قرار پاتا ہے۔

تفسیر فتح البیان تفسیر فتح البیان میں نذھبن بک کی تفسیر میں لکھا ہے بالموت قبل ان ننزل بهم العذاب کہ تجھے موت کے ذریعہ ان پر عذاب نازل کرنے سے پہلے لیجائیں یہ معنے کرنے کے بعد ضعیف قول کے طور پر دوسرے معنے قیل نخرجک من مکۃ فانا منهم منتقمون فی الدنیا والاخرۃ لکھے ہیں۔

پھر اسی مفسر نے اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔
او نَتَوَفَّيَنَّكَ مَعْطُوفَةٌ علىٰ ما قبلها المعنى اَوْ لَا نُرِيَنَّكَ فى حَيَاتِكَ بَلْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قَبْلَ ذٰلِكَ (تفسیر سورۃ یونس از فتح البیان)
یعنی اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ اس سے پہلی آیت پر معطوف ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ یا تجھے تیری زندگی میں عذاب نہ دکھائیں گے۔ بلکہ تجھے اس سے پہلے وفات دیدیں گے۔

ترجمان القرآن مواہب الرحمٰن تو مجھے نہیں ملی ترجمان القرآن میں مولوی ابوالکلام آزاد نے امّا نُرِيَنَّكَ بعض

اَلَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ کا ترجمہ یہ کیا ہے :-

" اور (اے پیغمبر) ہم نے ان لوگوں سے (یعنی منکرین عرب سے) جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے (یعنی دعوتِ حق کے پیش آنے والے نتائج کی خبر دی ہے) ان میں سے بعض باتیں تجھے (تیری زندگی میں) دکھا دیں یا ان کے ظہور سے پہلے تیرا وقت پورا کر دیں لیکن بہر حال انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے۔

پھر اپنے تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں :-

آیت ۴۶ کا مطلب یہ ہے کہ دعوتِ حق کی فتح مندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی جو خبر دی گئی ہے کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی میں ہی پیش آجائے بعض باتیں تیری موجودگی میں ہو کر رہیں گی بعض بعد کو واقع ہوں گی۔ پس منکروں کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار اس شخص کی زندگی پر ہے یہ نہ رہے گا۔ تو کچھ نہ ہوگا تو زندہ رہے یا نہ رہے لیکن احکام حق کا پورا ہو کر رہنا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس ترجمہ اور تفسیر سے ظاہر ہے کہ مولوی ابوالکلام صاحب کے نزدیک اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ کے معنی یہی ہیں کہ تجھے وفات دیدیں۔

تفسیر حقانی تفسیر حقانی کے متعلق مولوی عنایت اللہ صاحب نے یہ لکھا ہے :-

"اور تفسیر حقانی میں اسے (نَذْهَبَنَّ بِكَ کو۔ناقل) ہجرت پر محمول فرمایا ہے" (کیل الوفی ص۲۶)

حالانکہ تفسیر حقانی میں ہجرت کے معنی صرف بطور احتمال ثانی بیان کیے گئے ہیں ورنہ مفسر نے جو ترجمہ خود کیا ہے، اس میں نذھبنّ بك فانّا منھم منتقمون الآیۃ کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔

پھر اگر ہم آپ کو بھی لے جائیں (دنیا سے) تو بھی ہم ان سے ضرور بدلہ لیں گے۔

اور اس پر تفسیری نوٹ میں لکھا ہے:۔

اگر تجھے اے محمدؐ! ہم دنیا سے لے جائیں کیونکہ تو اپنا کام جو تھا کر گیا اور یہ ایک روز ہونا ہے تو یہ نہیں کہ پھر ہم ان سے بدلہ نہ لیں یا تیری زندگی میں ہی تجھے وہ عذاب دکھا بھی دیں تو ہم اس پر قادر ہیں۔

پس تفسیر حقانی کے مفسر کے نزدیک نذھبنّ بك کے معنی تجھے وفات دیں ہی ترجیحی معنی ہیں۔ ہاں احتمالی طور پر ہجرت کے معنوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ کا ترجمہ سورۃ یونس میں "آپ کی عمر پوری کریں"۔ سورۃ مومن میں "آپ کو وفات دیدیں"۔ اور سورۃ رعد کی تفسیر میں "اگر آپ مر گئے" کیا گیا ہے۔

پس یہ تفسیر بھی مولوی عنایت اللہ صاحب کے نَتَوَفَّيَنَّكَ کے معنی ہجرت کرنے سے اتفاق نہیں رکھتی۔ اور نذھبنّ بك کے ترجیحی معنی

اس مفسر کے نزدیک بھی دنیا سے لے جائیں ہیں نہ کہ ہجرت کرا دیں۔ اور میں ثابت کر چکا ہوں نذھبن بک کے معنی ہجرت کرا دیں بھی مولوی عنایت اللہ صاحب کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ آیت کے پہلے حصہ کا تعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں وفات تک عذاب نہ دکھانے سے قرار پاتا ہے۔ اور اس کی متبادل صورت عذاب دکھانے کا تعلق ہجرت کے بعد کے زمانہ سے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی مفسر روح المعانی کی طرف مولوی عنایت اللہ صاحب نے یہ منسوب کیا ہے کہ:۔

"تفسیر روح المعانی میں نذھبن بک اونتوفینک کو ہم معنی قرار دے کر والقرآن یفسر بعضہ بعضاً فرمایا ہے کہ یہ الٰہی تفسیر ہے جو سب پر فائق ہے"

مولوی عنایت اللہ کا یہ بیان سفید جھوٹ ہے۔ کیونکہ تفسیر روح المعانی میں اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ کے معنی تینوں سورتوں یونس رعد اور مومن میں مفسر نے وفات کے مراد لئے ہیں ہجرت کے معنے نہیں کئے۔ چنانچہ بطور نمونہ سورۂ یونس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:۔

فان نعذبهم فی حیاتك او نتوفینك قبل ذلك

(روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۸۵)

یعنی اگر انہیں تیری زندگی میں عذاب دیں یا تجھے اس سے پہلے وفات دے دیں

اسی طرح سورۂ رعد اور مومن میں اونتوفینک کے معنی وفات

کے مراد لئے ہیں نہ کہ ہجرت کے پھر وہ آیت نذھبن بک کی تفسیر میں لکھتے ہیں

فان قبضناک قبل ان نبصرک عذابھم نشفی بذالک صدرک و صدور المومنین فانا منھم منتقمون لامحالة فی الدنیا و الاخرة۔

یعنی اگر ہم تجھے قبض کر لیں (یعنی وفات دیدیں) پیشتر اس کے کہ تجھے ان کا عذاب دکھا کر اس سے تیرے سینے اور مومنوں کے سینوں کو شفا دیں تو ہم ان سے بالضرور دنیا اور آخرت میں انتقام لینے والے ہیں۔

پس علامہ الوسی نے نذھبن بک کے معنی ہجرت کرا دیں نہیں کئے بلکہ قبضناک کئے ہیں یعنی تجھے وفات دیں اور دونوں آیتوں کو ایک دوسرے کی تفسیر بھی نہیں کہا۔ بلکہ کسی دوسرے شخص کا خیال یوں لکھا ہے:۔

واقتصر بعضھم علی عذاب الاخرة لقولہ تعالیٰ فی اٰیة اُخریٰ نتوفینک فالینا یرجعون والقراٰن یفسر بعضہ بعضاً۔

یعنی ہم نے تو فانا منھم منتقمون سے دنیا اور آخرت دونوں کا عذاب مراد لیا ہے مگر مفسرین میں سے کسی نے اس جگہ صرف آخرت کا عذاب مراد لیا ہے اور دلیل میں خدا تعالیٰ کا دوسرا قول او نتوفینک فالینا یرجعون پیش کر کے کہا ہے کہ قرآن کا بعض بعض کا مفسر ہے یعنی جس طرح

منتقمون کے محدود معنی آخرت کا عذاب لینے والے کی تفسیر میں اونتوفینّك فالینا یرجعون کو بطور تفسیر بالقرآن پیش کرنے والے کے اس خیال کو ردّ کیا ہے کہ الینا یرجعون فانّا منهم منتقمون کے الفاظ کی تفسیر ہے مگر مولوی عنایت اللہ صاحب ایسی الٹی سمجھ کے مالک ہیں کہ وہ علّامہ الوسی کے اقوال کا مفہوم ان کے مقصد کے بالکل الٹ بیان کر رہے ہیں۔

شیعہ تفاسیر مولوی عنایت اللہ صاحب نے سنی تفاسیر کے علاوہ شیعی حوالہ کی بغلی سُرخی کے ماتحت کیل الموتی ص۲۷ پر لکھا ہے:۔

" تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ارشاد الٰہی نذھبنّ بك کا مطلب امام صادق سے یوں منقول ہے فاما نذھبنّ بك یا محمد من مكة الی المدینة ۔ اگر ہم تجھے مکہ سے مدینہ لے چلیں تو ہم ایسا کر سکتے ہیں۔

اصل حقیقت اصل حقیقت یہ ہے تفسیر صافی میں فانا نذھبنّ بك کے معنی مفسر نے توفات ہی کئے ہیں چنانچہ لکھا ہے:

(فانا نذھبنّ بك) فان قبضناك قبل ان نبصرك عذابهم وما مزیدة للتاكید فانا منهم منتقمون بعدك او نرینّك الذی وعدناهم) اوارد نا ان نریك ما وعدناهم من العذاب فانا علیهم مقتدرون لا یفوتنا وفی المجمع روی قد رای ما یلقی من امته بعده فما زال منقبضًا ولم

ینبسط ضاحکاً حتی لقی اللہ۔

یعنی نذھبن بک کے معنی ہیں اگر ہم تجھے قبض کرلیں پیشتر اس کے کہ تجھے ان کا عذاب دکھائیں تو بے شک ہم تیرے بعد ان سے انتقام لینے والے ہیں اور نرینک ما وعدناھم کے معنی ہیں یا اگر ہم ارادہ کریں کہ جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تجھے دکھادیں تو ہم اس پر قدرت رکھنے والے ہیں وہ ہم سے بچ نہیں سکتے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رویا میں اپنی امت کو ملنے والی مصائب کو دیکھا تو اس کے بعد آپ ہمیشہ منقبض الخاطر رہے اور کبھی خوش ہوکر نہ ہنسے یہاں تک کہ خدا تعالےٰ سے جاملے۔

پس الصافی کے مفسر کے نزدیک نذھبن بک کے معنی وفات ہی ہوئے اور مجمع البیان سے حضرت علیؓ کی روایت اس مفسر نے اپنے ان معنوں کی تائید میں پیش کی ہے

ہاں اس کے بعد مفسر الصافی نے القمی کی روایت کو بھی امام جعفر صادقؑ کی طرف سے درج کیا ہے جس میں فاما نذھبن بک کے معنی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کئے گئے ہیں مگر مولوی عنایت اللہ صاحب نے مارے شرم کے اس روایت کا اگلا حصہ چھوڑ دیا ہے جس میں لکھا ہے

ثم ناداد ولک الیہا و منتقمون عنہم بعلی ابن ابی طالب کیونکہ یہ روایت ان کے نزدیک جعلی تھی اس لئے میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو" پر عمل کیا ہے۔

اس روایت کا جعلی ہونا اس سے ظاہر ہے کہ آیت فاما نذھبنّ بك میں دو متبادل صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی صورت عذاب نہ دکھانے کی جس کا ذکر فاما نذھبنّ بك، فانا منھم منتقمون میں ہوا ہے کہ یا آپؐ کے بعد ان سے انتقام لیا جائے گا۔ اور عذاب آپؐ کو دکھایا نہیں جائے گا۔ اس کی متبادل دوسری صورت او نرینّك ما وعدناھم میں بیان ہوئی ہے کہ یا ہم تجھے ان سے وعدہ کردہ عذاب دکھا دیں۔ گویا دوسری صورت پہلی کے متبادل عذاب دکھانے کی صورت میں ہے اور پہلی صورت زندگی میں عذاب نہ دکھانے کے متعلق ہے۔ مگر اس روایت میں پہلی صورت کے متعلق ہی یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ہم آپؐ کو مکہ میں لوٹائیں گے اور حضرت علیؓ کے ذریعہ انہیں عذاب دینگے گویا دونوں صورتیں عذاب دکھانے کی بن گئیں اور پہلی اور دوسری صورت ایک دوسرے کی متبادل نہ رہی۔ پھر اس روایت میں فانا رادوك الیھا کے الفاظ بطور جزاء بڑھائے گئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں فانا نذھبن بك کی جزا خود خدا تعالےٰ نے فانا منھم منتقمون بیان فرما دی ہے۔ غالباً انہی وجوہ سے الصافی میں نذھبنّ بك کے معنوں میں وفات کے معنوں کو مفسر نے ترجیح دی ہے اور اس روایت کے معنوں کو اختیار نہیں کیا۔

پھر الصافی اور القمی دونوں میں آیت او نتوفینّاك کی تفسیر میں ہرگز ہجرت مراد نہیں لی گئی بلکہ وفات ہی مراد لی گئی ہے۔ مگر خود غرضی

عجب بلا ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب کے دماغ میں جب یہ سمایا کہ توفی کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے چیلنج کو توڑا جائے تو آپ نے نتوفینّاک کے معنی سورۂ یونس۔ رعد اور مومن کی آیتوں میں بجائے وفات کے ہجرت کر لئے اور پھر لگے حیلہ سازی سے مفسروں کا اپنے سے اتفاق جتلانے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی مفسران سے متفق نہیں۔

ذہاب قبض اور رفع الی اللہ

— کا —

موت کے معنوں میں استعمال

عربی زبان میں ذہاب (چلے جانا) کا استعمال مجازاً وفات کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔ اور فلانٌ قُبِضَ کا استعمال بھی وفات کے معنوں میں ہوتا ہے۔ اور "رفع الی اللہ" کا استعمال بھی باعزت وفات دینے کے معنوں میں ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قرآن مجید میں "بل رفعہ اللہ الیہ" کا استعمال بلکہ اسے باعزت وفات دی" کے معنوں میں ہوا ہے۔ چونکہ ذہابٌ کا استعمال وفات کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں امّا نذہبنّ بک میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ذہاب کا استعمال بھی مفسرین نے بمعنے دنیا

سے لے جائیں یعنی وفات دیدیں کے معنوں میں قرار دیا ہے۔ زبان عربی میں ایسے محاورات کے استعمال پر ذیل کی دو حدیثیں شاہد ناطق ہیں مگر مولوی عنایت اللہ صاحب نے ان حدیثوں کے معنے بھی بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔

حدیث اوّل بحوالہ عبدالرزاق عبد بن حمید بن جریر ابن منذر حاکم حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔

ذَهَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلّم وَبَقِيَتِ النِّقْمَةُ فَلَمْ يُرِ اللّٰهُ نَبِيَّهُ فِي أُمَّتِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ حَتّٰى قُبِضَ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَطُّ إِلَّا وَقَدْ رَأَى الْعُقُوبَةَ فِي أُمَّتِهِ إِلَّا نَبِيَّكُمْ صلی اللّٰه علیه وسلم رَأَى مَا يُصِيبُ أُمَّتَهُ بَعْدَهُ فَمَا رُئِيَ ضَاحِكًا مُنْبَسِطًا حَتّٰى قُبِضَ۔ (بحوالہ کیل الموفی ص ۲۷ و ۲۸)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (دنیا سے) چلے گئے اور نقمت (فتنے) باقی رہ گئے پس اللہ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت میں (واقعہ ہونے والی) کوئی ناپسندیدہ بات نہ دکھائی۔ یہاں تک کہ آپؐ وفات پاگئے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہوا مگر اس نے اپنی امت میں فتنہ وفساد کا واقع ہونا دیکھا ہے۔ مگر تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے (رؤیا میں) وہ کچھ دیکھا جو آپؐ کے بعد آپؐ کی امت کو بصورت فتنہ پہنچنے والا تھا۔ تو

وفات تک کبھی ہنستے ہوئے اور خوش نہ دیکھے گئے۔

حدیث دوم - حضرت انسؓ سے بحوالہ ابن جریر ابن مردویہ بیہقی میں ہے کہ:-

"اکرم اللّٰہُ نبیّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم ان یُّریہٗ فی اُمّتہٖ مایکرہٗ فرفعہٗ الیہ و بقیت النقمۃ"

(بحوالہ کحل الموقی صفحہ ۲۸)

یعنی خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز کیا ہے کہ آپؐ کو (رؤیا میں نہ) اپنی امت میں وقوع میں آنے والی وہ بات دکھادیگا جسے آپؐ ناپسند کرتے تھے پس اس نے آپؐ کو اپنی طرف اٹھالیا (یعنی باعزت وفات دیدی) اور فتنہ و فساد باقی رہ گیا۔

پہلی حدیث میں ذَھَبَ۔ قُبِضَ (دو دفعہ) وفات کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اور دوسری حدیث میں رَفَعَہٗ اِلَیْہِ (اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا) کے الفاظ باعزت وفات دی کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور امت سے مراد حدیث میں امت مسلمہ ہے نہ کفار و مشرکین جو امت دعوت ہیں کیونکہ کفار و مشرکین کا عذاب تو آپؐ کو زندگی میں بھی دکھادیا گیا۔ مگر حدیث بتاتی ہے کہ آپؐ کے بعد پیدا ہونے والا امت کا فساد دکھادیا گیا جس سے یہی مراد ہوسکتا ہے کہ رؤیا میں دکھادیا گیا اسی طرح دوسری حدیث میں بھی مختصر طور سے یہی مضمون بیان ہوا ہے اور اس میں رفعہ الیہ کے الفاظ آپؐ کو باعزت وفات دینے کے

معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ مگر مولوی عنایت اللہ صاحب ان معانی کی بجائے ازراہِ بناوٹ دونوں حدیثوں کے معنوں کو بگاڑتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکّہ مکرمہ چھوڑ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوتے وقت مکّی دشمنوں میں جو آپ کی امت دعوت ہے نقمت الٰہی (عذاب الٰہی) چھوڑ گئے ...... بعد سے بعد الہجرۃ اور رفع اور قبض کا معنی بحفاظت تمام مدینہ طیبہ پہنچا دینا ہے اور مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ منورہ یوں بھی تقریبًا ایک ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ (کیل الموتی ص۲۸)

حالانکہ حضرت انسؓ مدنی انصاری تھے جنہیں چھوٹی عمر میں ہی ان کی والدہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ تو ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ (رسول اللہ چلے گئے) کے الفاظ ہجرت کے معنوں میں استعمال ہی نہ کر سکتے تھے اگر انہیں وفات کی بجائے ہجرت بیان کرنا مقصود ہوتی تو وہ بجائے ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ کے جَاءَ رسول اللہ ہی کہہ سکتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آ گئے یعنی مکہ سے مدینہ منورہ میں آ گئے پس ترجمہ میں مولوی صاحب کی بناوٹ ظاہر ہے جب ذَهَبَ کے معنی وفات ثابت ہو گئے تو قبض کے معنی بھی وفات اور بعد کے معنی بعد از وفات قرار پا گئے۔

دوسری حدیث میں رَفَعَهُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے معنی اگر ہجرت ہوں اور رَفَعَ کا لفظ اس لیئے اختیار کیا گیا ہے کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے ایک ہزار فٹ بلند تھا۔ تو پھر یہی معنی مولوی عنایت اللہ صاحب کو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تعلق رکھنے والی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں کرنے چاہئیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے انہیں بلند سرزمین کی طرف ہجرت کرادی جبکہ ایک دوسری آیت میں صاف یہ امر مذکور ہے وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (مومنون آیت ۵) یعنی ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشان بنایا اور ان دونوں کو بلند زمین کی طرف پناہ دی۔ جو آرام والی اور چشموں والی ہے پس جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے وہ رفعہ الیہ کے معنے بلند زمین کی طرف ہجرت مراد لیتے ہیں تو کیوں مسیح علیہ السلام کے متعلق بل رفعہ اللہ الیہ کے الفاظ سے وہ فلسطین سے بلند سرزمین کی طرف ہجرت مراد نہیں لیتے؟ آخر یہ دوہرا معیار کیوں ہے؟

سچی بات تو یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام دونوں کے لئے رفعہ اللہ الیہ کے الفاظ باعزت طبعی وفات دی اور ان کے درجات بلند کئے کے معنوں میں ہی استعمال ہوئے ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی توفی کے متعلق دعا

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق مولوی عنایت اللہ صاحب نے

دو حدیثیں بیان کی ہیں:۔

اوّل۔ اذا ارادت بقوم فتنۃً فتوفنی الیک غیر مفتون۔

یعنی (اے خدا) جب تو قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں مبتلا ہوئے بغیر وفات دیدینا۔

دوم:۔ اذا اردت بعبادک فتنۃً فاقبضنی الیک غیر مفتون۔

یعنی جب تو اپنے بندوں کے متعلق فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے اپنی طرف فتنہ میں مبتلا کئے بغیر قبض کر لینا یعنی وفات دیدینا قبض کے معنی عربی محاورہ میں توفی کی طرح خدا کے فاعل اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں وفات کے ہی ہوتے ہیں۔

چونکہ مولوی عنایت اللہ صاحب توفی کے معنے بگاڑنے پر تلے ہوئے تھے اتفاقاً انہیں حضرت معاذ بن جبل کی یہ روایت مل گئی۔ اذا اردت فی خلقک فتنۃً فنجنی الیک منہا غیر مفتون۔ کہ جب (اے خدا) تو اپنی مخلوق میں فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں مبتلا ہوئے بغیر اپنی طرف نجات دیدینا۔ اپنی طرف نجات دیدینا کے معنی بھی اس جگہ وفات دیدینا ہیں۔ اسی لئے نجّنی کا صلہ الیک آیا ہے۔ مگر نجات کا لفظ دیکھ کر مولوی صاحب کو بہانہ مل گیا۔ اور انہوں نے پہلی دو حدیثوں میں بھی توفی اور قبض کے معنی مطلق

نجات قرار دے دیئے ہیں۔ حالانکہ نجات بمعنی مخلصی کا صلہ محض من استعمال ہوتا ہے۔ اور جب الی صلہ ہو تو اس کے معنے غم اور فتنہ وغیرہ سے بچا کر بعد والی مذکور شے تک پہنچا دینا مراد ہوتا ہے۔

پس نَجِّنِیْ اِلَیْكَ کے معنی ہیں مجھے فتنہ سے بچا کر اپنے حضور پہنچا دینا یعنی باعزت وفات دیدینا۔ یہی مفہوم توفّنی الیك اور فاقبضنی الیك کا ہے۔ اسی لئے تو توفّنی اور اقبضنی کے بعد بھی الیك استعمال ہوا ہے۔ خالی نجات کیلئے نجات کے لفظ کے بعد من کا لفظ آتا ہے الی نہیں آتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے

(۱) نَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ (طٰہٰ ۴۱) ہم نے تجھے غم سے نجات دی۔ (۲) وَاِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (بقرہ ۵۰) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی (۳) نَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ (انبیاء ۷۵) ہم نے اسے بستی سے نجات دی۔ (۴) نَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ (انبیاء ۸۹) ہم نے اسے غم سے نجات دی (۵) نَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ (ہود ۵۹) ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دی (۶) نَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ (صافات ۷۶) ہم نے ان دونوں اور ان کی قوم کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی۔

قرآن مجید میں مصیبت سے چھڑا کر بعد والی مذکور شے تک پہنچانے کے لئے فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ (عنکبوت ۶۶) کی آیت شاہد ناطق ہے۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا

میں نجّنی الیک منہا غیر مفتون کے یہ معنے ہوئے کہ مجھے فتنہ میں مبتلا ہوئے بغیر نجات دے کر اپنے حضور پہنچا دینا جس کا مفہوم صرف باعزت وفات دینا ہی ہے۔ پس توفّنی الیک فاقبضنی الیک اور نجّنی الیک کی تینوں دعائیں باعزت وفات دے کر اپنے حضور پہنچا دینے کا مفہوم رکھتی ہیں۔ اس لئے تینوں دعاؤں میں الیک کا لفظ استعمال ہوا ہے اگر کسی دعا میں الیک کا لفظ استعمال نہیں ہوا تو وہاں الیک دوسری روایات کے مطابق محذوف سمجھا جائے گا نجات اور توفّی میں تبائن اور تضاد نہیں کہ دونوں صورتیں ایک حالت میں جمع نہ ہو سکیں بلکہ بعض صورتوں میں وفات ہی دنیا کے ہمّ وغم سے نجات کا موجب ہوتی ہے۔

توفّی اور حتفِ انف

مولوی عنایت اللہ صاحب توفّی اور حتفِ انف (طبعی موت) کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"مرزائی مسلّمات کی بناء پر ہر سہ آیتوں سے موت ہرگز مراد نہیں ہوتی کیونکہ توفّی کے لفظ سے مرزا صاحب کے نزدیک صرف موت ہی مراد نہیں بلکہ اس سے طبعی موت سے مرنا مراد لیتے ہیں"
(تکمیل الموفی ص۲۹)

اور آگے چل کر سوال اٹھاتے ہیں کہ:۔

"جب توفّی سے ان کے نزدیک صرف موت نہیں بلکہ طبعی موت
مراد ہوتی ہے تو پھر ان ہر سہ آیتوں میں ان کے نزدیک رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے طبعی موت کی پیشگوئی ہوئی ....
تو پھر آپؐ ان کے نزول کے بعد ایسے اچانک قتل سے ۔ ناقل)
خائف کیوں رہے؟ اور صحابہ کرام مدینہ پہنچ کر بھی کیوں آپؐ
کا پہرہ دیتے رہے؟ (کمیل المونٰی ص۳)

پھر اس سوال کا جواب خود ہی ہماری طرف سے یہ فرض کر کے کہ اس صورت
میں توفّی کے معنی طبعی موت نہیں ہو سکتے ۔ از خود یہ نتیجہ نکالتے ہیں :۔
"جب خصم (احمدی ناقل) بھی اپنے مسلّمہ اصول کو ملحوظ رکھکر
ان آیتوں سے موت ہرگز مراد نہیں لے سکتا ۔ تو پھر وہی معنے
درست ہوں گے جو میں سیاق اور روانگی مضمون ملحوظ رکھکر
بیان کر چکا ہوں کہ اس سے ہجرت مراد ہے" (کمیل المونٰی ص۳)

الجواب مولوی صاحب کی منطق عجیب ہے گویا طبعی موت کی نفی ان کے
نزدیک مطلق موت کی نفی ہو کر ہجرت کو مستلزم ہے ۔ واضح
ہو کہ ہمارے نزدیک ان تینوں آیتوں میں توفّی سے طبعی موت ہی مراد ہے
مگر چونکہ توفّی کو ان آیتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں
کا عذاب نہ دکھانے کی صورت سے مشروط کیا گیا تھا ۔ اس لئے توفّی
(طبعی موت) کی ان آیتوں میں بہر حال پیشگوئی نہیں کی گئی لہٰذا ان آیتوں
میں مذکور طبعی موت آپؐ کے لئے بہر حال حتمی قرار نہیں دی گئی تھی۔ قرآن

ایک مشروط صورت کے پیدا ہونے پر حتمی قرار دی گئی تھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ان تینوں آیتوں میں اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ایک دوسری صورت اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ کے بالمقابل ایک متبادل صورت میں وارد ہے کہ یا تو آپ کو مشرکوں سے موعود عذاب کا کچھ حصہ دکھا دیں گے یا آپ کو طبعی وفات دیدیں گے۔ پس اگر آپ کو مشرکوں سے موعود عذاب دکھایا جانے کی صورت اختیار کی جائے تو توفّی (طبعی موت) کی صورت عذاب نہ دکھایا جانے کی متبادل صورت سے مشروط ہو جانے کی وجہ سے حتمی نہیں رہتی تھی اور آپ کو مشرکوں کا عذاب دکھایا جانے کی صورت میں آپ کی غیر طبعی موت کا امکان تھا اسلئے توفّی کے معنے طبعی موت ہونے کے باوجود اس کا حکم مشروط ہونے کی وجہ سے ان ہر سہ آیتوں کے نزول پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حفاظت ضروری تھی۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کے لئے آپؐ کا پہرہ دینا ضروری تھا گو اللہ تعالےٰ اپنے ازلی علم کے رُو سے جانتا تھا کہ آپ طبعی وفات ہی پائیں گے مگر اس نے اپنا یہ علم ان آیتوں میں حتمی رنگ میں ظاہر نہیں کیا تھا۔ البتہ اس کے بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی آیت نازل ہوئی جس میں صریح اور غیر مشروط طور پر بتا دیا گیا کہ اللہ تعالےٰ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اور اس طرح اس آیت میں حتمی طور پر علم دیدیا گیا کہ دشمن آپؐ کو قتل نہیں کر سکتا۔ اور آپؐ یقیناً طبعی وفات ہی پائیں گے

تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیدیا۔ لَا تَحْرُسُوْنِی فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ عَصَمَنِی مِنَ النَّاسِ۔ کہ تم میرا پہرہ نہ دو۔ بے شک خدا تعالےٰ نے مجھے آئندہ کے لئے ایسے شر سے محفوظ کر دیا ہے۔ کہ لوگ مجھے قتل کر سکیں۔

مکہ مکرمہ میں جب آپؐ پر اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ کے الفاظ پر مشتمل آیات نازل ہوئیں ان میں تو فّی کی صورت مشروط طور پر بیان ہونے کی وجہ سے صرف ایک خاص صورت میں طبعی وفات کو ضروری قرار دینی تھی نہ کہ علی الاطلاق بلکہ اس زمانہ میں تو خدا تعالےٰ نے آپؐ کو یہ دعا بھی سکھلائی تھی

رَبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (المومنون ع) یعنی اے رب اگر تو مجھے مشرکوں سے موعود عذاب دکھائے تو مجھے ظالم لوگوں میں (عذاب میں) داخل نہ کیجو۔

اس دعائیہ آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ کا وعدہ جو طبعی موت کے ذکر پر مشتمل تھا صرف مشرکوں کا عذاب نہ دکھایا جانے کی شرط سے مشروط تھا اور عذاب دکھایا جانے کی صورت میں آپؐ کا دشمن کے ہاتھوں ہلاک ہونے کا احتمال قائم رکھا گیا اسی لئے آپؐ کو غیر طبعی موت سے بچایا جانے کی دعا سکھلائی گئی۔ پس ان ہر سہ آیتوں میں مشروط طور پر تو فّی سے مراد طبعی وفات ہی ہوئی۔ اور مولوی عنایت اللہ کی دلیل اور اس کا نتیجہ دونوں غلط قرار پائے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر جگہ تو فّی کے معنی طبعی موت ہی ہوتے ہیں بلکہ آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ:-

"توفّی پر غالب یہی بات ہے کہ موت طبعی سے وفات دی جائے"

(ازالہ اوہام ص۳۳۲)

گویا ہر جگہ آپ کے نزدیک توفّی سے طبعی موت مراد نہیں ہوتی بلکہ اکثر استعمال اس کا طبعی موت کے لیئے ہوتا ہے جس پر "غالب یہی بات ہوتی ہے" کے الفاظ صریح الدلالت ہیں۔

بے شک آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"عربی زبان میں توفّی کے لفظ کا استعمال طبعی موت کے محل پر ہوتا ہے اور جہاں کوئی شخص قتل کے ذریعہ ہلاک ہو۔ ۔ ۔ ۔ وہاں قتل کا استعمال کرتے ہیں اور یہ ایسا محاورہ ہے جو کسی عربی دان پر پوشیدہ نہیں"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۲۰۸)

مگر یہ فرمانے کے ساتھ آپ نے اس کی وضاحت بھی فرما دی ہے جسے مولوی عنایت اللہ صاحب نے کبل الموفّی کے پڑھنے والوں کے سامنے اوپر کے حوالہ کے ذکر کے ساتھ دانستہ پیش نہیں کیا۔ تا مغالطہ دے سکیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ محولہ عبارت سے آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں یہ عرب کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کبھی ایسے لفظ کو جو اپنی اصل وضع میں استعمال اس کے کسی خاص محل کے لیئے ہوتا ہے ایک قرینہ قائم کر کے کسی غیر محل پر بھی مستعمل کر دیتے ہیں یعنی استعمال اس کا وسیع کر دیتے ہیں اور جب ایسا قرینہ موجود نہ ہو تو پھر ضروری ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ لفظ اپنی اصل وضع پر استعمال پائے"۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۰۹)

اس عبارت کی روشنی میں ہمارے مسلمات میں سے یہ امر ہوا کہ توفّی کا خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو تو اس صورت میں اس کے محاورۂ زبان میں اصل معنی طبعی وفات دینے کے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لفظا کوئی شخص کسی دیگر مفتول کے لئے استعمال کرنا چاہے۔ تو پھر اسے اس لفظ کو طبعی موت کے معنوں سے پھرانے کے لئے کوئی قرینہ قائم کرنا چاہیئے۔ بلا قیام قرینہ اس لفظ کا مقتول کے لئے استعمال غلطی ہوگی۔ پس ہر سہ زیر بحث آیتوں میں مشروط طور پر نتوفّینّک کا لفظ طبعی موت کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے نہ کسی اور معنی میں۔ فتدبّروا فہم۔

خود غرضی کے کرشمے

خود غرضی عجب بلا ہے مولوی عنایت اللہ صاحب کے دماغ میں جب یہ سمایا کہ وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے توفّی کے متعلق چیلنج کا توڑ سوچیں تو صاحب الغرض مجنونٌ کی ضرب المثل کے مطابق آپ نے بعض مقامات پر توفّی کے معنے ہجرت کر لئے اور پھر آپ کا دماغ ایسا چلا کہ آپ نے نہ صرف سورۂ یونس رعد اور مومن کی آیات میں نتوفینّک کی تفسیر برخلاف تمام مفسرین کے ہجرت کر دی۔ بلکہ توفّی کے معنی ہجرت کرانا قرار دے کر ان معنوں کو قرآن مجید کی اور آیات میں بھی چلایا۔

نوٹ۔ اکمیل الموتی میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے ثبوت ۲۷ کے بعد ثبوت ۲۹ دیا ہے ثبوت ۲۸ موجود نہیں)

ثبوت ۸-۹-۱۰ کا رد ثبوت ۸، ۹، ۱۰ میں وہ تین آیتوں کا ذکر کرتے ہیں :-

پہلی آیت حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا درج کی ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ - کہ مجھے فرمانبرداری کی حالت میں (مقدر) وفات دینا اور مجھے صالحین سے ملانا اور دوسری آیت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ساحروں کی دعا - رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مسلمین درج ہے کہ اے رب ہمیں صبر کی توفیق دے اور ہمیں فرمانبردار ہونے کی حالت میں (مقدر) وفات دینا۔

اور تیسری دعا مومنوں کی ان الفاظ میں درج ہے کہ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران ع ۲۰) کہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور ہماری بدیاں ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ (نیکی کی حالت میں) وفات دو یعنی جب ہم مقدر وفات پائیں تو ہمکو وفات یافتہ نیکوں سے ملا دیا جائے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے ان تینوں دعائیہ آیتوں میں بھی توفی سے مراد ہجرت کرا دو مراد لی ہے - وہ ان معنوں کے لئے اُس حدیث کا سہارا پکڑتے ہیں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ - یعنی کوئی

تم میں سے مصیبت نازل ہونے پر موت کی تمنا نہ کرے اگر ایسی دعا ضرور کرنی ہو تو یہ کہے خدایا مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے اور مجھے وفات دے جب وفات میرے لئے بہتر ہو۔ تَوَفَّنِیْ کا لفظ اس حدیث میں بھی وفات دے مجھے کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ مگر مولوی عنایت اللہ صاحب نے حدیث ہذا کے سہارے پر کہ موت کی تمنا ممنوع ہے ان ہر سہ دعائیہ آیات میں توفّنی اور توفّنا کے معنے ہجرت کر دیئے ہیں حالانکہ یہ تینوں دعائیں اس مضمون پر مشتمل نہیں کہ ہم پر ابھی موت آجائے بلکہ یہ دعائیں مقدر موت کے فرمانبرداری کی حالت میں آنے کے لئے ہیں اور ایسی دعائیں شرعاً ممنوع نہیں بلکہ آیت قرآنیہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آلِ عمران ع ۱۱) کی ہدایت کے مطابق ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ تعالےٰ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اس ہدایت کے ماتحت ہر مومن کی یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ میری مقدر موت مسلمان (فرمانبردار) ہونے کی حالت میں آئے۔ لہٰذا یہ تینوں دعائیں جن میں مقدر موت کا فرمانبرداری یا نیکی کی حالت میں آنا طلب کیا گیا ہے منشا قرآن کے عین مطابق ہیں۔ اور حدیث نبویؐ میں بیان شدہ موت کی تمنا کی ممنوع دعا کی قسم سے نہیں ہیں چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنی امت کو اپنے ساتھ شامل کر کے ان لفظوں میں دعا مانگتے رہے ہیں "اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ

وَاَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَ لَا مَفْتُوْنِیْنَ (الادب المفرد للامام البخاری باب دعوات النبی صلے اللہ علیہ وسلم ص۱۰۳) یعنی اے اللہ! ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مسلمان ہونے کی حالت میں کسی رسوائی اور فتنہ میں مبتلا ہوئے بغیر زندہ رکھنا۔ اس جگہ تَوَفَّنَا کے مقابل اَحْیِنَا رکھ کر قرینہ قائم کر دیا گیا ہے کہ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ کے الفاظ میں فرمانبرداری کی حالت میں (مقدّر) موت آنے کی دعا کی گئی ہے۔ اس دعا کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم ابھی وفات پا جائیں۔

ثبوت ۸ میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"ایسا ہو کہ تو مجھے مملکت مصر سے باہر بھی حاکمانہ طور پر لے چل تاکہ میں اپنے ملک میں وسعت پیدا کر سکوں۔ اور علمی جواہر میں بھی مجھے دیگر بزرگوں کی طرح وافر اور کامل حصّہ عنایت فرما کہ تیری نعمتوں سے کسی وقت بھی بے پرواہی نہیں۔ (کیل الموفی ص۳۴۲)

مولوی عنایت اللہ صاحب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا کے جو معنے اوپر کے الفاظ میں لکھے ہیں چودہ سو سال میں کسی مفسر قرآن نے یہ معنی نہیں کئے بلکہ مولوی عنایت اللہ صاحب ان معنوں میں منفرد ہیں۔ مگر مولوی عنایت اللہ صاحب نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ اس دعا کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے کون کون سا ملک مصر سے باہر نکل کر فتح کیا۔ اور ان کی یہ دُعا مصر سے باہر نکل کر فتوحات کرنے کے ذریعہ کس طرح قبول ہوئی؟ ہمیں تو مولوی عنایت اللہ

کے معنوں میں اس دعا کی قبولیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ثبوت ۹ میں سورۂ اعراف میں موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ساحروں کی دعا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ کو مولوی عنایت اللہ صاحب موسیٰ علیہ السلام کے اسرائیلی ساتھیوں کی دعا مذکور فی القرآن عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا فَلَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کا ہم معنی اور مفسر قرار دے کر اسرائیلیوں کی اس دُعا کے مطابق ایمان لانے والے ساحروں کی دعا کے یہ معنی لکھ رہے ہیں:۔

"اسلام پر قائم رہ کر باطل کا خوف مٹا کر مقابلہ کر سکیں اور ہم کو مصر سے نکال کر دوسری بہتر جگہ پہنچا دے۔"

حالانکہ ساحروں نے ہجرت کی دعا نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے یہ دعا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد فرعون کی اس دھمکی پر کی تھی کہ میں تم سب کو صلیب دے دونگا۔ اس دھمکی کو سُنکر انہوں نے خدا تعالےٰ سے التجا کی کہ ہمیں صبر کی توفیق دے اور ہمیں موت فرمانبردار ہونے کی حالت میں آئے۔ پس یہ دونوں دعائیں دو الگ الگ گروہوں کی ہیں۔ دونوں گروہوں کی دعاؤں کو ایک ہی گروہ کی قرار دے کر دونوں کو ہم معنی قرار دینا محض دھوکا دہی ہے

ثبوت ۱۰ میں مومنوں کی دُعا تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کے معنے مولوی عنایت اللہ صاحب یہ کرتے ہیں:۔

"ہماری پوری حفاظت فرما کہ ہم نیک لوگوں میں جا بسیرا کریں۔"

اور آگے لکھا ہے:-

"سو خدا نے ان کی اس دُعا کو منظور فرما کر انہیں ہجرت کی توفیق بخشی کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔" (کیل الموفی ص۳۵)

مولوی عنایت اللہ صاحب کے یہ معنی صریح غلط ہیں کیونکہ مومنوں کی یہ دعا مدنی سورۃ میں مذکور ہوئی ہے اور اللہ تعالےٰ ان مومنوں کی حالت اس جگہ یوں بیان فرماتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

ترجمہ:- وہ لوگ جو کھڑے ہوتے، بیٹھتے اور پہلوؤں پر ہونے کی حالت میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ (اور کہہ اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ بیفائدہ پیدا نہیں کیے۔ تو ہر عیب سے پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیو۔ اے ہمارے رب!

بے شک جسے تونے آگ میں داخل کیا اسے تونے رسوا کر دیا۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو جو ایمان کے لئے پکارتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سُنا۔ پس ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے ربّ! ہماری مغفرت فرما۔ اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے۔ اور نیک لوگوں میں داخل کر کے ہمیں وفات دیجیو۔ اے ہمارے رب! تونے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں دیجیو۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدہ خلافی کرنے والا نہیں۔

سیاق آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مومنوں کی یہ دُعائیں بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں جاری تھیں۔ جس پر یَذْکُرُوْنَ اور یَتَفَکَّرُوْنَ کے الفاظ دال ہیں۔ جو دونوں فعل مضارع ہیں۔ پس ان آیات میں مدینہ والوں کی کسی ماضی کے زمانہ کی دعاؤں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جو مکہ مکرمہ میں مانگی گئی تھیں بلکہ یہ دُعائیں مومنین مکّہ سے مدینہ میں ہجرت کر لینے کے بعد مانگ رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں توفّی کا لفظ ہجرت کے لئے دُعا کے معنوں میں استعمال نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ ان آیات کے بعد خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ (آل عمران ع ۲۰)

یعنی خدا نے ان کے لئے یوں قبولیت رکھی ہے کہ بے شک میں کسی عمل کرنے والے کا عمل مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرونگا۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی ہے اور گھروں سے نکالے گئے ہیں اور میری راہ میں دکھ دیئے گئے ہیں۔ اور دشمنوں سے لڑے اور مقتول ہوئے ہیں اُن کی برائیاں اُن سے دُور کردونگا۔ اور انہیں ایسے باغات میں داخل کرونگا جن میں نہریں بہتی ہیں اللہ کی طرف سے ثواب کے طور پر اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ مدینہ کے اندر جو لوگ ایسی دُعائیں کر رہے تھے ان کے حق میں خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کی قبولیت ان لوگوں کو دی جائے گی جو ہجرت کر چکے ہیں اور انہوں نے خدا کی راہ میں جنگ بھی کی ہے اور یہ قبولیت موت کے بعد انہیں جنت میں داخل کرنے اور ان کے کاموں کا اچھا ثواب دینے کی صورت میں ہوگی۔ پس یہ دُعائیں تو ان لوگوں کی تھیں جو ہجرت کر چکے تھے اسی لئے فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا میں تمام صیغے فعل ماضی کے استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا مولوی عنایت اللہ صاحب کا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کی دُعا کو مکّی دُعا قرار دے کر اس کے یہ معنے کرنا کہ:۔

"ہماری پوری پوری حفاظت فرما کہ ہم کہیں نیک لوگوں میں جا کر

بسیرا کریں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو خدا نے ان کی دُعا کو منظور فرما کر انہیں
ہجرت کی توفیق بخشی وہ مکہ چھوڑ کر یہاں مدینہ چلے آئے۔"

ہرگز درست نہیں بلکہ یہ ترجمہ سراسر بناوٹ اور سیاق مضمون اور آیات میں بیان کردہ واقعات کے صریح خلاف ہے۔

ثبوت اا کاردّ مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس کے بعد توفّی کے معنے بعض آیاتِ قرآنیہ میں بجائے وفات دینے کے پکڑنا جکڑنا کئے ہیں۔ چنانچہ وہ سورۂ سجدہ کی آیت قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ کے معنی یوں لکھتے ہیں:۔

"پھر تمہیں تکلیف کا فرشتہ جو تمہارے ساتھ مقرر کیا جائے گا
پوری طرح پکڑ جکڑ کر خدا کے حضور پیش کر دے گا" (دلیل الموفی ص)

مولوی عنایت اللہ صاحب کی بناوٹ ملاحظہ ہو۔ پہلے وہ ملک الموت (موت کا فرشتہ) کے معنے بگاڑ کر تکلیف کا فرشتہ کرتے ہیں تا دُد يَتَوَفّٰكُمْ کا ترجمہ جو توفّی سے فعل مضارع ہے۔ موت کی بجائے پکڑنا جکڑنا کر سکیں۔ حالانکہ اس آیت کے سیدھے معنے یہ ہیں:۔

"پھر تمہیں موت کا فرشتہ وفات دے گا۔ اور پھر تم ایک
عرصہ کے بعد (یعنی دوبارہ زندہ ہو کر) خدا تعالے کی طرف
لوٹائے جاؤ گے۔

ثُمَّ کا لفظ عربی زبان میں تعقیب مع التراخی پر دال ہوتا ہے یعنی

"اس کے پیچھے ایک عرصہ کے بعد" کے مفہوم پر۔ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس کا تشریحی ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب یہ کرتے ہیں:۔

"کافروں نے کہا کہ جب ہم مر کر خاک وصول ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہوں گے جس سے مطلب اللہ پاک کی درگاہ میں حاضری سے انکار ہے۔ ان سے کہدو ہاں ضرور پیدا ہوں گے۔"

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس آیت کا تعلق قیامت کے دن سے ہونے کی وجہ سے اگلی آیت میں ملک الموت (موت کا فرشتہ) کو تکلیف کا فرشتہ ٹھہرا کر اس کے فعل توفّی کو پکڑنے جکڑنے کے معنوں میں قرار دے دیا ہے۔ اگر وہ ملک الموت کے سیدھے معنے موت کا فرشتہ کرتے۔ تو انہیں اس کے فعل توفّی کو موت کے معنوں میں لینا پڑتا تھا اور موت کے معنے کرنے سے وہ بچنا چاہتے تھے۔ لہذا توفّی کا ترجمہ موت کے بجائے پکڑنا جکڑنا کرنے کے لئے انہوں نے ملک الموت کے معنی موت کا فرشتہ کی بجائے تکلیف کا فرشتہ کر دیئے۔ اور اس سے پہلی آیت کے ترجمہ میں از خود یہ الفاظ بڑھا دیئے "ان سے کہدو ہاں ضرور پیدا ہونگے" حالانکہ ان کو ترجمہ کیلئے آیت میں اس جگہ کوئی لفظ موجود نہیں۔ کافروں نے خاک وصول ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدائش سے ہی انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ دراصل وہ خدا کی ملاقات سے منکر تھے جیسے کہ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔ اس پر انہیں کہا گیا کہ تمہیں موت کا فرشتہ

مارے گا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد یعنی قیامت کے دن تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اس وقت ان مجرموں کے سر شرم سے جھکے ہوں گے۔ اور یہ کہیں گے رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔ کہ اے ہمارے ربّ! ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا ہے۔ پس ہمیں واپس بھیجدے ہم اچھے عمل کریں گے بے شک ہم یقین لانیوالے ہیں۔ بے شک موت کے مجازی معنے دکھ بھی ہوتے ہیں۔ مگر ملک الموت کا لفظ کو کسی فرشتہ کا عَلَم نہیں بلکہ صرف صفت ہے مگر یہ عزرائیل اور اس کے ساتھی فرشتوں کے لئے ہی معروف ہے جو موت وارد کرنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ نہ کہ قیامت کے دن پکڑ جکڑ کرنے والے فرشتہ کے لئے۔ چونکہ مولوی عنایت اللہ صاحب ملک الموت کے معروف معنے ترک کرکے آیت میں اپنے منشاء مطلب رنگ بھرنا چاہتے تھے اس لئے وہ لکھتے ہیں:۔
"میں مروجہ ترجموں کا حامی نہیں" (تکمیل الموفی صـ۴۲)

پس اگر مولوی عنایت اللہ صاحب ملک الموت کے معروف معنی چھوڑ کر مروجہ تراجم کو قبول نہ کریں۔ تو اس سے یہ ثابت نہ ہوا کہ توفّی کے اس جگہ یقینی معنی پکڑنا جکڑنا ہیں جبکہ مروجہ تراجم میں اس کے معنی وفات دینا ہی کئے گئے ہیں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے چیلنج کے جواب میں تو ایسی آیت ہی پیش ہو سکتی ہے۔ جس میں قطعی طور پر وفات کے معنوں کا احتمال ہی نہ ہو۔ مگر اس جگہ تو مولوی عنایت اللہ صاحب نے ملک الموت کے معروف معنی موت کا فرشتہ ترک کرکے اور آیت کے ترجمہ میں از خود

"ان سے کہدو ہاں ضرور پیدا کریں گے" کے الفاظ کا اضافہ کر کے اپنے معنوں کو ناجائز سہارا دینے کی کوشش کی ہے پس ان کا ترجمہ سراسر بناوٹ اور تکلف پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قابلِ ردّ ہے۔ بفرض محال اگر اس توفّی کا تعلق قیامت سے ہی قرار دیا جائے۔ تو پھر تو یہ آیت چیلنج کے جواب میں پیش ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ چیلنج میں مذکور توفّی کا تعلق دنیا میں واقع ہونے والی توفّی سے ہے۔

پس مولوی عنایت اللہ صاحب نے جن آیاتِ قرآنیہ کو قیامت پر محمول قرار دے کر ان میں مذکور توفّی کو قیامت کے دن کا فعل یکڑنا جکڑنا قرار دیا ہے۔ ان آیات کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے چیلنج کی تردید میں پیش کرنا ایک بے سود کوشش ہے۔ کیونکہ چیلنج حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق استعمال شدہ توفّی کی تحقیق میں دیا گیا ہے۔ جس کا تعلق توفّی کے انسان پر دنیا میں وارد ہونے سے ہے۔ نہ کہ آخرت کے دن کی توفّی سے

ثبوت ۱۲ کا ردّ اللہ تعالےٰ نے سورۂ انعام رکوع ۸ میں فرمایا ہے

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ۔ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (انعام ع ۵)

ترجمہ:۔ وہ (اللہ تعالےٰ) اپنے بندوں پر قادر ہے وہ تم پر محافظ فرشتے

بھیجتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو اس کے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے پھر ایک عرصہ کے بعد وہ اپنے سچے مالک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائینگے اور جو افترا وہ کرتے تھے وہ ان سے اکارت جائے گا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں :۔

" وقت پر وہ انہیں (فرشتوں) کو جو کیدار مقرر فرما کر بھیجے گا۔ کہ جو مفتریوں کو خوب اچھی طرح پکڑ جکڑ کر اللہ کے حضور پیش کریں گے " (کبل الموتی صلا)

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس ترجمہ میں حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے) کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان الفاظ کا ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب کے مقصود کے خلاف تھا کیونکہ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا اس شرط (یعنی موت کا وقت آنے) کی جزا تھی۔ اور پورے جملہ شرطیہ کے معنے یہ تھے۔ یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے۔ تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں ۔

قرآن مجید سورۃ زمر کی آیت اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا میں موت کے وقت کی توفی کو قبض روح ہی قرار دیتا ہے نہ کہ پکڑنا جکڑنا مولوی عنایت اللہ صاحب ازراہِ بناوٹ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کا ترجمہ چونکہ پکڑنا جکڑنا کرنا چاہتے تھے اس لئے جملہ شرطیہ کی جزا کا ترجمہ تو پکڑنا جکڑنا کر دیا مگر شرط یعنی حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ کا ترجمہ ہضم کر گئے

تا ان کی بناوٹ پر پردہ پڑا رہے۔ اس آیت میں ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ۔ پھر وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے کا تعلق قیامت سے ہے جس پر ثُمَّ کا لفظ دال ہے۔ ثُمَّ سے مراد یہ ہے کہ ایک عرصہ کے بعد ایسا ہوگا اگر پہلی آیت کا تعلق بھی قیامت کے دن سے ہوتا اور قیامت کے دن یہ توفّی مراد ہوتی تو پھر ثُمَّ کی بجائے حرفِ عطف فاء استعمال ہوتا یعنی ثُمَّ رُدُّوْا کی بجائے فَرُدُّوْا کا لفظ استعمال ہوتا۔ جو مطلق تعقیب پر دلالت کرتا ہے نہ کہ تعقیب مع التراخی پر۔ اور حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ کے الفاظ مذکور نہ ہوتے جو توفّی کے موت کے معنوں میں استعمال ہونے پر قوی قرینہ ہیں۔

ثبوت ۱۳ تا ۱۸ کا رد مولوی عنایت اللہ صاحب نے ثبوت ۱۳ تا ۱۸ میں بعض قرآنی آیات پیش کی ہیں جن میں ملائکہ کے توفّی کرنے کا ذکر ہے۔ گو اکثر مفسرین نے ان آیتوں میں توفّی سے مراد وفات ہی لی ہے لیکن دو شخصوں نے بقول مولوی عنایت اللہ صاحب ان آیتوں کو قیامت سے متعلق قرار دے کر اس توفّی سے مراد وفات الحشر لی ہے۔ یعنی حشر کے دن لوگوں کو جمع کرنا اور ان کا شمار کرنا۔ اگر برخلاف دوسرے تمام مفسرین کے ان دو شخصوں کے معنی بالفرض درست بھی مان لئے جائیں۔ تو یہ آیات ان معنوں کے لحاظ سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے چیلنج کے خلاف پیش نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ چیلنج میں وہ توفّی زیر بحث ہے جس کا تعلق اس دنیا سے ہے نہ کہ آخرت سے۔ کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے الفاظ اس دنیا کی توفّی سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ساری بحث

اور تحدّی دراصل دنیا کی توفّی سے تعلق رکھتی ہے۔ ماسوا اس کے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنے چیلنج میں ایک جگہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں:۔

"ایسے شخص کو صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کرتا ہے وہ حدیث صحیح نبویؐ ہے یا گذشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا قول ہے جو علم محاورات عرب میں مسلم الکمال ہے اور یہ ثبوت دینا بھی ضروری ہوگا کہ قطعی طور پر اس حدیث یا اس شعر کے ہمارے دعویٰ کے مخالف معنے نکلتے ہیں اور ان معنوں سے جو ہم لیتے ہیں مضمون فاسد ہوتا ہے یعنی وہ حدیث اور وہ شعر ان معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہے۔ کیونکہ اس حدیث یا اس شعر میں ہمارے معنوں کا بھی احتمال ہے تو ایسی حدیث یا ایسا شعر ہرگز پیش کرنے کے لائق نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی فقرہ کو بطور نظیر پیش کرنے کے لئے اس کے مخالف مضمون کا قطعیۃ الدلالت ہونا شرط ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۱۱)

پس مولوی عنایت اللہ صاحب کا حضرت اقدسؑ کے چیلنج کے خلاف ایسی آیات کا پیش کرنا جس میں اکثر مفسرین توفّی کے معنے وفات لے رہے ہیں ثابت کرتا ہے کہ یہ آیات موت کے علاوہ کسی دوسرے معنے کے لئے قطعیۃ الدلالت نہیں ورنہ مفسرین ان کے معنے موت دینا نہ کرتے۔ پس جب موت کے علاوہ دوسرے معنے ان آیات میں قطعیۃ الدلالت نہیں بلکہ موت کے معنوں کا احتمال بھی موجود ہے تو ایسی آیات چیلنج کے مقابلہ میں بطور وجہ ثبوت پیش نہیں ہو سکتیں۔

ثبوت ۱۳ میں پیش کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ۔

یعنی جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے۔

آگے چل کر ان کافروں کے متعلق فرمایا ہے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ (سورہ اعراف ع)

خدا نے کہا یعنی وہ کہے گا کہ تم جن و انس کی پہلی گذری ہوئی قوموں میں آگ میں داخل ہو جاؤ۔

اس آیت میں فی النار سے مراد وہ آگ نہیں جس میں انہوں نے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد قیامت کے دن داخل ہونا ہے بلکہ اس سے مراد عالم برزخ کا عذاب قبر ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

القبر روضۃ من ریاض الجنۃ وحفرۃ من حفرۃ النیران (ترمذی)

یعنی قبر (برزخی) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ۔ اور آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ پس مرنے کے بعد خبیث لوگ گذشتہ خبیثوں کے ساتھ عالم برزخ میں آگ میں داخل کر دیئے جاتے ہیں پس یتوفونھم سے اس جگہ پکڑنا جکڑنا مراد نہیں بلکہ وفات دینا مراد ہے۔

ثبوت ۱۴ میں پیش کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (الانفال)

مولوی عنایت اللہ صاحب نے ذوقوا عذاب الحریق کا ترجمہ کیا ہے۔

"تو یوں کہیں گے یہ کہ دوزخ کی آگ تمہارے جلانے کیلئے موجود ہے"

گویا ذُوْقُوْا سے پہلے یقولون کا محذوف ہونا انہیں خود مسلّم ہے اور انہوں نے یَقُوْلُوْنَ کا ترجمہ بھی کہیں گے" بصیغہ مستقبل کیا ہے پس اس آیت میں بھی توفّی جو فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے وہ دنیا کی توفّی بمعنی وفات دینا ہے اور اس کے بعد ذوقوا عذاب الحریق انہیں فرشتے قیامت کے دن عذاب میں داخل کرنے پر کہیں گے یا ان کے عذاب قبر میں مبتلا کیا جانے پر کہیں گے یضربون وجوھھم وادبارھم میں روح قبض کیا جانے اور عذاب قبر کی کیفیت بیان کی گئی ہے

یہی مضمون ثبوت ۱۵ کی آیت فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ میں بیان کیا گیا ہے۔

ثبوت ۱۶ میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے سورۂ نساء کی یہ آیت پیش کی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (سورۂ نساء ع)

ترجمہ:۔ جن لوگوں کہ فرشتوں نے ایسی حالت میں وفات دی درآنحالیکہ

وہ اپنی جانوں پر (ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے تھے) فرشتوں نے انہیں کہا تم کس حالت میں تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی۔ کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے اس آیت میں ظالمی انفسھم واقع ہے جو اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ یہ توفّی اس وقت ہوئی جبکہ وہ لوگ ہجرت نہ کرکے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ پس یہ توفّی دنیا میں ہوئی جو دارالعمل ہے اور مراد اس سے وفات دینا ہوئی کیونکہ ظلم کا ارتکاب کرنے کی حالت میں ہی ان کی توفّی مذکور ہے آخرت کی توفّی مراد نہیں ہو سکتی۔

یاد رہے اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ "ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے" سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فرشتوں اور ہجرت نہ کرنے والوں میں اوپر کا مکالمہ قیامت کے دن ہوگا۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ مکالمہ فرشتوں سے ان کی موت کے وقت ہوا۔ اور فرشتوں نے آخر کار بتایا کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے یعنی وہ برزخی عالم یا آخرت میں جہنم میں داخل کئے جائیں گے پس اس آیت میں قیامت کے دن توفّی کئے جانے کا ذکر نہیں۔ کہ اس کے معنی پکڑنا جکڑنا لئے جا سکیں۔

ثبوت ۱۷ میں سورۂ نحل کی آیت ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔

ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْھِمْ وَ یَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْھِمْ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔

اس آیت میں مشرکوں کی قیامت کے دن رسوائی کا ذکر ہے لہٰذا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِہِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ یہ معنی نہیں رکھتا کہ یہ توفّی بھی قیامت کے دن ہوگی۔ کیونکہ اس میں توفّی کے مشرکوں کو ظالمی انفسھم کی حالت میں واقع ہونے کا ذکر ہے۔ اور ظالمی انفسھم کا تعلق دار العمل سے ہے جو دنیا ہے نہ کہ دار الجزاء سے جو آخرت ہے۔ اس آیت میں مشرکوں کو ایک رنگ میں تنبیہہ کی گئی ہے۔ کہ موت سے پہلے توبہ کرلیں۔ اور ظلم یعنی شرک کا ارتکاب ترک کردیں تا قیامت کے دن کی رسوائی سے بچ جائیں۔ اس کے بعد کے فقرہ۔ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ سے پہلے یقول رھذا کہے گا) یا یقولون (ملائکہ کہیں گے) کا لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا۔ کہ جہنم میں داخل ہوجاؤ۔ جس میں تم لمبا عرصہ رہنے والے ہو۔ پس وہ متکبروں کا بُرا ٹھکانا ہے۔ اس جگہ مقاتل اور حسن بصری گو اس آیت میں مذکور توفّی کو فادخلوا ابواب جہنّم کے قرینہ سے قیامت سے متعلق قرار دیتے ہوں مگر ایک جمّ غفیر باقی مفسروں کا اس توفّی کو دنیا سے متعلق قرار دیکر اس کے معنی موت کرتا ہے۔ نہ کہ مقاتل اور حسن بصری کی طرح جمع کرنا۔ البتہ پکڑنا جکڑنا معنے تو مولوی عنایت اللہ صاحب کی ایجاد ہیں۔

اسی طرح **ثبوت ۱۸** کی آیت میں جو سورۂ نحل میں ہے اَلَّذِیْنَ

تتوفّاھم الملٰئکۃ طیّبین کے الفاظ بھی دنیا کی توفّی سے ہی متعلق قرار دیئے گئے ہیں۔ اس جگہ طیّبین حال ہے جس کا تعلق دارالعمل (دنیا) سے ہے۔ ان الفاظ کے بعد کے الفاظ یقولون سلام علیکم فادخلوا الجنّۃ کا تعلق برزخی جنّت سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ کہ متقی لوگ جنتوں اور فراخی میں ہیں۔ اور حدیث نبوی میں آیا ہے القبر روضۃ من ریاض الجنّۃ کہ قبر (برزخی) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ پس مومن متقی اور پاک لوگ وفات پانے کے بعد قرآن وحدیث کے مطابق فوراً ایک قسم کی جنت میں داخل کر دیئے جاتے ہیں یہ نہیں کہ صرف قیامت کے دن ہی وہ جنّت میں داخل ہوں گے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب امام رازی علیہ الرحمۃ پر افتراء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"تفسیر کبیر میں ہے کہ گو عام مفسروں نے سادگی سے توفّی سے مراد موت لی ہے۔ مگر حسن بصری نے سیاق اور روانگیٔ مضمون کو ملحوظ رکھکر فرمایا ہے۔ فاحتجّ الحسن بھٰذا علیٰ انّ المراد بذٰلک التوفّی وفات الحشر لانّہٗ لایقال عند قبض الارواح فی الدنیا فادخلوا الجنّۃ بما کنتم تعملون۔ یہ توفی تو قیامت کے دن ہوگی" (کبیل الموتیٰ ص۳۷)

"تفسیر کبیر میں ہے کہ گو عام مفسروں نے سادگی سے مراد موت لی ہے"۔

کا فقرہ سراسر افترا ہے امام رازی نے اس آیت میں توفی کے معنے موت کرنے والے مفسروں کے متعلق ہرگز یہ فقرہ نہیں لکھا کہ انہوں نے سادگی سے موت مراد لی ہے۔ مولوی عنایت اللہ صاحب امام رازی علیہ الرحمتہ کی طرف یہ عبارت منسوب کرکے یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ گویا امام رازی نے عام مفسرین کے معنوں کو ردّ کر دیا ہے اور حسن بصری کے معنوں کو ترجیح دی ہے مگر بات یوں نہیں بلکہ انہوں نے حسن بصری کے معنوں کی دلیل کے ساتھ ہی دوسرے مفسرین کے معنوں کی بھی دلیل بیان کر دی ہے اور ان مفسرین کے معنوں کو سادگی قرار دے کر حسن بصری کے معنوں سے اپنا اتفاق ظاہر نہیں کیا۔ چنانچہ امام رازی اس جگہ لکھتے ہیں۔

واکثر المفسرین علی ان ھذا التوفّی ھو قبض الارواح وان کان الحسنُ یقول انّہ وفاۃ الحشر ثم بیّن تعالیٰ انّہ یقال لھم عند ھذہ الحالۃ ادخلوا الجنّۃ فاحتج الحسن بھٰذا علیٰ ان المراد بذٰلک التوفّی وفات الحشر لانّہ لا یقال عند قبض الارواح فی الدنیا ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون۔ ومن ذھب الی قول الاوّل وھم الاکثرون یقولون الملٰئکۃ لما بشّروھم بالجنّۃ کانّھا دارھم وکانّھم فیھا فیکون المراد ھی خاصۃ لکم کانّکم فیھا۔ (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۵ صفحہ ۴۵۲ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ اکثر مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ یہ توفّی قبضِ ارواح ہے اگرچہ حسن کہتے ہیں کہ یہ وفات الحشر ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ انہیں اس حالت میں کہا جائے گا جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے حسن البصری نے دلیل پکڑی ہے کہ اس توفّی سے مراد وفات الحشر ہے کیونکہ دنیا میں قبض ارواح کے وقت ادخلوا الجنّۃ بما کنتم تعملون نہیں کہا جاتا۔ اور جو لوگ پہلے قول (دنیا میں قبض ارواح۔ ناقل) کی طرف گئے ہیں وہ اکثر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ نے جب انہیں جنّت کی بشارت دی۔ گویا وہ ان کا گھر ہے اور گویا کہ وہ اس میں ہیں تو مراد ان (فرشتوں کے) قول اُدخلوا الجنّۃ سے یہ ہوگی کہ وہ جنّت تمہارے لئے مخصوص ہے گویا کہ تم اس میں ہو۔"

اس عبارت میں کسی جگہ امام رازی نے اکثر مفسروں کے اس قول کو سادگی پر محمول قرار نہیں دیا۔ بلکہ صرف حسن بصری اور اس کے مقابل اکثر مفسرین کے اقوال مع الدلائل نقل کر دیئے ہیں۔

مزید برآں ہم کہتے ہیں کہ فادخلوا الجنّۃ کے الفاظ برزخی جنّت سے متعلق ہیں۔ یہ جنّت مومنوں کو فوراً قبض ارواح پر مل جاتی ہے فلا اشکال

ثبوت ۱۹ میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے ایک حدیث پر بحث کی ہے جو جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان مندرجہ قرآن مجید كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں بطور تفسیر نبویؐ وفات دینے کے معنوں میں پیش کی جاتی ہے۔ امام بخاری صحیح بخاری میں اس حدیث کو کتاب التفسیر

ہیں بھی لائے ہیں اور یہ کئی اور طرق سے بھی مروی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے کچھ ساتھی گرفتار کیئے جائیں گے تو میں کہوں گا اصحابی اصحابی۔ یہ تو میرے ساتھی ہیں اس وقت مجھے جواب دیا جائے گا آپؐ کو معلوم نہیں کہ آپؐ کے بعد انہوں نے کیا نئی بدعات کیں۔ یہ تو اپنی ایڑیوں پر پھر گئے تھے یعنی مرتد ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔

یعنی میں اس وقت کہونگا جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ میں ان کا اس وقت تک نگران تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دیدی تو ان پر تو ہی نگران تھا اور تو ہر چیز پر نگران ہے۔

ہمارا استدلال ہمارا استدلال اس حدیث نبویؐ سے یوں ہے کہ جب قیامت کے دن خدا تعالےٰ کو مخاطب کر کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کا بیان اپنی اپنی قوم کے متعلق ایک جیسا ہے تو جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ میں فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی جب وفات دی تو نے مجھے کیئے جاتے ہیں تو یہی معنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بیان کے

الفاظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے لئے جائیں گے۔ ان دونوں بیانوں کا مفاد یہ ہوگا کہ ہماری قوم کے لوگ ہماری وفات کے بعد بگڑے ہیں جبکہ ہماری نگرانی اُٹھ چکی تھی۔ اور یہ لوگ صرف خدا تعالےٰ کی نگرانی میں تھے۔ ہمیں تو ان میں دوبارہ جا کر ان کی اصلاح کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ لہٰذا ہم ان کی خرابی کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اگر دونوں نبیوں کے بیان کا ایک ہی مفاد نہ ہوتا تو امام بخاری اس حدیث کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بیان کی تفسیر میں نہ لاتے۔ پس یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک بیان میں تَوَفَّيْتَنِي کے معنے وفات دی تو نے مجھے کئے جائیں اور دوسرے بیان میں جب تو نے مجھے زندہ مع روح اور جسم کے اُٹھا لیا کئے جائیں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کی بناوٹ

مولوی عنایت اللہ صاحب نے تصنّع اور بناوٹ سے کام لیتے ہوئے توفّیتنی کے معنے حدیث میں بگاڑنے کے لئے ان الفاظ سے پہلے حدیث میں وارد شدہ ملائکہ کے الفاظ انك لاتدری ما احدثوا بعدك کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ :-

یہ لوگ ہجرت کے پیچھے رفتہ رفتہ کافروں کی صحبت سے متاثر ہو کر ان کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ جس کی مجھے خبر نہیں"۔ (کیل الموفیٰ ص ۴۹-۵۰)

اور اس سیاق پر بنیاد رکھکر پھر آگے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي والے حصّہ کا ترجمہ یہ کر دیا ہے کہ :-

"پس جب تو نے مجھے مدینہ روانہ کر دیا تو میں اپنی ہجرت کے پیچھے

ان کی بابت کوئی عینی شہادت نہیں دے سکتا۔" (کیل الموفی ص۵)

ہمارا جواب از روئے سیاق کلام ہمارا جواب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے فاعل اور انسان کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں توفّی کے معنے وفات دینا ہی ہوتے ہیں ہجرت کے معنوں میں یہ لفظ زبانِ عربی میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کو یہ مسلّم ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہ بیان قیامت کے دن دیں گے۔ اس لئے فرشتوں کے قول انّک لا تدری ما احدثوا بعدک (آپ نہیں جانتے کہ آپؐ کے بعد انہوں نے کیا بدعات اختیار کیں) کے الفاظ میں بعد کے لفظ سے مراد مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے بعد کا زمانہ مراد لینا محض تکلف اور بناوٹ ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آخر فتح مکہ کے بعد مکہ میں رہنے والوں کی نگرانی کا موقعہ بھی ملا۔ اور آپؐ کا بیان قیامت کے دن ان لوگوں سے متعلق ہے۔ جن سے آپؐ توفّی کے بعد اس طرح الگ ہوئے کہ پھر آپؐ کو ان کی نگرانی کا کسی رنگ میں بھی موقعہ نہ ملا۔ ہاں آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو فتنہ ارتداد پیدا ہوا اس میں بعض وہ لوگ بھی جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جانتے پہچانتے تھے مرتد ہوگئے اس لئے اِنَّھُمْ لَمْ یَزَالُوا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ کے الفاظ میں انہیں لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن انہیں سے برأت کا اظہار فرمائیں گے پس توفیتنی کے معنی ہجرت لینے محض بناوٹ ہے۔

ثبوت نمبر ۲۰ کا رد | ثبوت نمبر ۲۰ کا تعلق بھی اسی حدیث کے معنوں سے ہے جنہیں مولوی عنایت اللہ صاحب نے اپنے ثبوت نمبر ۱۹ کے بالکل برخلاف اس حدیث کے بیان انک لا تدری ما احدثوا بعدک کو مدینہ منورہ کے منافقوں کے متعلق قرار دے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

" روایت مذکورہ کا دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا رویہ منافقانہ تھا کہ جب تک آپؐ ان کے پاس اور وہ آپؐ کی مجلس میں رہا کرتے تب تک وہ اٰمنّا بالرّسول واطعنا (نور) اور ان اردنا الّا الحسنٰی (توبہ) اور ان اردنا الّا احسانًا وتوفیقًا (نساء) کہہ کر آپ کو خوش کیا کرتے تھے۔ مگر جب وہ اذا خرجوا من عندک (محمد) اور فاذا برزوا من عندک (نساء) آپؐ سے الگ ہوا کرتے اور آپؐ ان سے (فارقتھم) تو بس پھر ماذا قال اٰنفًا (محمد) انّما نحن مستھزءون (بقرہ) کہہ کر بیّت طائفۃ غیرالذی تقول (نساء) تیرے خلاف نئی نئی باتیں تراشا کرتے تھے جن کی انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ تجھے خبر نہیں تب میں مسیح علیہ السّلام کے لفظوں میں عرض کرونگا کہ جب میرے روبرو ان کا حال و قال وہ ہے جسے میں نے بیان کیا ہے اور میرے پیچھے ان کا حال وقال کچھ اور ہی ہو جایا کرتا تھا تو ایسے منافقوں سے مجھے سخت نفرت ہے۔" (کیل الموفی صفحہ ۵۱)

مولوی صاحب نے اس بیان کو منافقوں کے متعلق قرار دے کر اس جگہ فلمّا توفّیتنی کنت انت الرقیب علیھم کا کوئی ترجمہ نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اتنا لکھدیا ہے "تب میں مسیح علیہ السلام کے لفظوں میں عرض کرونگا" گویا بات گول مگول رہنے دی ہے۔ مگر چونکہ سورۂ نور۔ سورۂ توبہ۔ سورۂ نساء۔ سورۂ محمدؐ اور سورہ بقرہ کی جو آیات انہوں نے اوپر کے اقتباس میں درج کی ہیں ان سورتوں کے مدنی ہونے کی وجہ سے سب منافقین مدینہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کے لفظوں میں فلمّا توفّیتنی کنت انت الرقیب علیھم ہی جواب دیں گے۔ اس لئے اس جگہ تَوَفَّیْتَنِی کے معنی ہجرت کرادی تو نے مجھے تو درست نہ رہے کیونکہ مدینہ منورہ سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نہیں فرمائی۔ بلکہ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تھی۔ اور وہ لوگ جن کے متعلق آپ قیامت کے دن یہ بیان دیں گے مدینہ منورہ کے منافق ہیں۔ لہذا قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ فرشتوں کے قول انّک لا تدری ما احدثوا بعدک میں بعد سے مراد آپؐ کی وفات کے بعد ہے نہ ہجرت کے بعد۔ کیونکہ ہجرت تو ان لوگوں میں آپؐ کے آجانے سے وقوع میں آچکی تھی۔ ان لوگوں میں سے کہیں چلے جانے سے تو وقوع میں نہیں آئی۔ کیونکہ ان سے علیحدہ تو آپؐ وفات کے ذریعہ ہی ہوئے ہیں۔ چنانچہ بالآخر مولوی عنایت اللہ صاحب کو یہ لکھنا پڑا ہے اور حق ان کی زبان سے جاری ہوگیا ہے کہ :-

"عہدِ رسالت میں تو ان کا ارتداد مخفی رہا۔ مگر عہدِ خلافتِ صدیق
میں جیسے کہ امام بخاری کے استنا وقبیصہ کا خیال ہے کہ وہ
صاف صریح علانیہ طور پر مرتد ہو گئے تھے۔ رہا نفاق سو کسی کا ظاہر
ہوا اور کسی کا ظاہر نہ ہوا"۔ (کبیل الموفی ص۵۱)

پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کا ارتداد ظاہر ہوا۔ اور منافقوں کا نفاق پھر بھی مخفی رہا۔ تو فرشتوں کا قول انّك لا تدری ما احدثوا بعدك میں بعد سے مراد بعد از وفات قرار پایا۔ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کے معنے (اے خدا) جب وفات دی تو نے مجھے تو ان پر تو ہی نگران تھا متعین ہو گئے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

مولوی عنایت اللہ صاحب کا ایک اور حیلہ

مولوی عنایت اللہ صاحب کا آخری حیلہ سازی یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں:-

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اقول ما قال
میں موصوف (یعنی عیسٰے علیہ السلام۔ ناقل) کے لفظوں میں عرض
کروں گا۔ بلکہ یوں فرمایا کہ اقول کما قال کہ میں ان کے
لفظوں کے لگ بھگ عرض کروں گا۔ اور ظاہر نہیں فرمایا کہ وہ
کونسے الفاظ ہوں گے"۔ (کبیل الموفی ص۵۲)

کسی نے سچ کہا ہے۔ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔ مولوی عنایت اللہ صاحب

ابھی ابھی کبیل الموفیٰ کے ملاھ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لکھ چکے ہیں:۔

" تب میں مسیح علیہ السلام کے لفظوں میں عرض کروں گا"

مگر اس اقتباس میں لکھتے ہیں کہ آپؐ نے:

" یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ وہ کون سے الفاظ ہوں گے"۔ (کبیل الموفیٰ ص۵۲)

اللہ تعالےٰ نے مولوی عنایت اللہ صاحب کی دروغگوئی سے پردہ اٹھانے کے لئے خود ان کے اپنے ہاتھوں ایک اوّل انتظام فرما دیا ہے۔ چنانچہ کبیل الموفیٰ میں وہ خود دو حدیثیں درج کرتے ہیں جو ان کی پردہ دری پر شاہد ناطق ہیں

پہلی حدیث پہلی حدیث وہ کبیل الموفیٰ ص۵۲ پر یوں لکھتے ہیں:۔

" صحیح مسلم ص۲۷ جلد ا میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے آیت کریمہ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا سُن کر فرمایا۔ شھیدًا علیھم مادمت فیھم او ماکنت فیھم میں اپنی بابت ان دونوں کی شہادت دونگا جو کہ میں نے ان میں رہ کر گزارے ہوں گے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:۔

اوّل یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کے الفاظ کا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بیان سے شھیدًا علیھم مادمت فیھم کہنے میں لفظی تطابق ہوگا۔

دوم یہ کہ آپ اپنی بابت قیامت کے دن ان وقتوں کی شہادت دینگے جو کہ آپ نے ان میں رہ کر گزارے ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فرشتوں کے قول انک لا تدری ما احدثوا بعدک میں کہ آپ نہیں جانتے کہ آپکے بعد انہوں نے کیا بدعات اختیار کیں۔ بعد کے لفظ سے اس حدیث میں ان وقتوں سے بعد کا زمانہ مراد ہوگا۔ جو آپ نے ان میں رہ کر گزارے۔ ان رہ کر گزارے ہوئے وقتوں کے بعد فرشتوں کے بعدک کہنے سے بعد از وفات ہی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ یہ گفتگو قیامت کے دن ہوگی۔ لہٰذا ان الفاظ کے بعد اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے فاذا توفّیتنی کنت انت الرقیب علیہم کے الفاظ نکلنا ثابت ہو جائے تو حدیث ہذا میں تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی وفات دی تو نے مجھے متعین ہو جائیں گے۔ اور مولوی صاحب کا دھوکا صاف ظاہر ہو جائے گا۔ خدا تعالےٰ نے مولوی صاحب کی جعلسازی سے پردہ اٹھانے کے لئے ان سے دوسری حدیث یوں درج کرادی ہے۔

دوسری حدیث مولوی عنایت اللہ صاحب دُرِّ منثور جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ سے یوں نقل کرتے ہیں:۔

"درمنثور صفحہ ۱۶۴ جلد ۲ میں بحوالہ ابن جریر عبداللہ بن مسعودؓ سے یوں مروی ہے۔ اذا جئنا من کل اُمَّۃٍ بشھید (و جئنا بک علیٰ ھٰؤُلآءِ شھیدًا ۔ ناقل) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھیدًا علیھم ما دمت فیھم فاذا توفّیتنی کنت انت الرقیب علیھم" (کبل الموفی صفحہ ۵۱)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شھیدًا علیھم مادمت فیھم فاذا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم کے الفاظ استعمال کریں گے اور قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام شھیدًا علیھم مادمت فیھم فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم کے الفاظ استعمال کرینگے۔ دونوں بیانوں میں صرف فلمّا اور فاذا کا فرق ہے حضرت عیسٰے فلمّا توفیتنی کہیں گے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فاذا توفیتنی اور یہ ظاہر ہے کہ لمّا اور اذا دونوں حرف شرط ہیں اور "جب" کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ پس ایک لفظ کے ہم معنی استعمال کرنے کے سوا حضرت عیسٰے علیہ السلام کے بیان اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان میں لفظاً لفظاً تطابق ہے اس ایک ہم معنے لفظ کے استعمال کرنے سے دونوں بیان مطابق حدیث انزل کما قال لگ بھگ ہو جاتے ہیں اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اسجگہ توفیتنی کے استعمال کا مسیح کے بیان سے تطابق لفظی موت کے معنے بھی متعین کر دیتا ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھا تھا کہ:-

"یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ وہ کونسے الفاظ ہونگے" (کیل الموفی ص۵۱)

مگر خدا تعالےٰ نے ان کی جعل سازی اور جھوٹ سے خود ان کے ہاتھوں کیل الموفی ص۵۲ اور ص۵۳ پر یہ دونوں حدیثیں درج کرا کر صاف طور سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

ثبوت ۱۲ کا رد مولوی عنایت اللہ صاحب، ذیل کی آیات پیش کرتے ہیں :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (یونس ع ۱۱)

ترجمہ :- کہہ دو اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارہ میں شک میں ہو تو (سنو) میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دے گا اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب آیت ھذا کا ترجمہ از راہِ بناوٹ یہ کرتے ہیں :-

"تم یہ بات اس طرح پر بہ توضیح تام بیان کرو کہ کسی کو تمہارے مسلک کی بابت کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے کہ میں غیر اللہ نہیں بلکہ اس خدا کو پوجتا ہوں جو کہ تمہاری (اور میری نیز سب کی) پوری پوری پرورش اور حفاظت و نگرانی فرما کر شکریہ کا مطالبہ کرتا ہے۔" (کیل الموفی ص۵۳)

پھر ہمارے صحیح معنوں کے برخلاف فلسفہ چھانٹتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عبادت الٰہی کا سبب توفّی کو قرار دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ سبب اپنے مسبّب سے بہر حال پہلے ہوتا ہے ...... توفّی بمعنی موت

کے بعد تو عبادت تکلیف مالا یطاق ہے۔" (کبیل الموفیؔ ص۵۵)

ہمارا جواب یہ ہے کہ یَتَوَفّٰکُمْ کے لفظ میں توفّی کو اس جگہ ہرگز سبب عبادت قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ مقصود اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معبود حقیقی کا مشرکوں سے تعارف کرانا ہے جیسا کہ خود مولوی صاحب کے ترجمہ کے ان الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ "اس بات کو بہ توضیح تام بیان کرو کہ تمہارے مسلک کی بابت کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

پس مقصود خدا تعالےٰ کا یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے معبود کا مشرکوں کو تعارف کرادیں تا وہ کسی شبہ میں نہ پڑیں اور جان لیں کہ آپ اس خدا کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں وفات دے گا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کا یہ ترجمہ

"بلکہ اس خدا کو پوجتا ہوں جو کہ تمہاری (اور میری نیز سب کی) پوری پوری پرورش اور حفاظت ونگرانی فرما کر شکریہ کا مطالبہ کرتا ہے"

یَتَوَفّٰکُمْ کا بالکل غلط ترجمہ ہے توفّی کے معنی پرورش اور حفاظت اور نگرانی از روئے لغت ثابت نہیں اور "شکریہ کا مطالبہ کرتا ہے" کے ترجمہ کے لئے آیت میں کوئی لفظ موجود نہیں اور انہوں نے جو فلسفہ بیان کیا ہے اس کا اس جگہ کوئی محل نہیں۔ کیونکہ اس جگہ توفّی کو سبب عبادت قرار نہیں دیا گیا بلکہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معبود کے تعارف کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ جو خدا تمہیں موت دے گا میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ ہر مشرک بھی جانتے تھے کہ نہیں اللہ ہی مارتا بھی ہے جیسا کہ آیت ذیل سے ظاہر ہے کہ:

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْمَيِّتَ الْحَيَّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔ کون زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور کون مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون امر کی تدبیر کرتا ہے وہ (مشرک) کہیں گے اللہ ایسا کرتا ہے"۔

زیر بحث آیت میں مفسرین قرآن نے یَتَوَفّٰکُمْ میں توفی سے مراد وفات ہی لی ہے نہ کہ پرورش کرنا یا حفاظت و نگرانی کرنا۔ پس مولوی عنایت اللہ صاحب کے معنی محض تفسیر بالرائے ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں ایک جگہ توفی کے استعمال پر مشتمل آیات کی ایک فہرست دی ہے جس میں اس آیت کا اندراج سہواً رہ گیا ہے۔ اس میں مولوی عنایت اللہ صاحب کو دال میں کچھ کالا نظر آیا ہے اور اس کے متعلق انہوں نے سولہ سطریں بلا وجہ سیاہ کی ہیں۔

ثبوت ۲۲ کا رد اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل ع ۹ میں فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں وفات دے گا۔ اور تم سے کسی کو ارذل عمر کی طرف لوٹا دیتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔

"پھر وہی تمہاری پرورش اور حفاظت بھی فرماتا ہے اور تم میں سے بعض کے لئے تو اس کا سلسلہ اتنا طول پکڑ جاتا ہے کہ ارذل

عمر کو پہنچ کر علم و ظرافت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔"

گویا ثُمَّ یتوفاکم کا ترجمہ پرورش اور حفاظت فرماتا ہے کیا ہے جو خلاف لغت ہونے کی وجہ سے سراسر بناوٹ ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے ترجمہ کی تائید میں ایک دوسری آیت اللّٰہ الّذی خلقکم ثمّ رزقکم ثمّ یمیتکم ثمّ یُحییکم ھل من شرکاۓکم من یفعل ذٰلکم من شیءٍ سبحٰنہٗ وتعالٰی عمّا یشرکون کو پیش کرنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر تمہیں رزق دیا ہے پھر تمہیں مارے گا۔ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو اس میں سے کچھ کر دکھائے، وہ پاک ہے اور اس شئے سے بلند ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس آیت کے لفظ رزقکم کو جو خلقکم کے بعد آیا ہے پہلی آیت کے لفظ یتوفاکم کی تفسیر قرار دیا ہے، حالانکہ رزقکم فعل ماضی ہے۔ اور یتوفاکم فعل مضارع اور رزقکم کے آگے یمیتکم آیا ہے کہ وہ تمہیں موت دیتا ہے۔ یہ لفظ مضارع بھی ہے اور یتوفاکم کے ہم معنی بھی۔ پس یمیتکم تمہیں موت دیتا ہے یتوفاکم کی تفسیر ہوئی۔ ہاں، دونوں آیتوں کا مقصد الگ الگ ہے۔

دوسری آیت میں صفات الٰہیہ پیدا کرنا۔ رزق دینا۔ مارنا۔ زندہ کرنا پیش کر کے شرک کے رد میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ کیا تمہارے معبودوں میں سے کبھی کوئی ایسا کام کر کے دکھا سکتا ہے۔ اگر نہیں تو پھر خدا کی شان سے

بلند ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو معبود ٹھہراؤ۔ اور پہلی آیت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ پیدا کرنے والا اور مارنے والا اور بعض کو ارذل عمر تک پہنچانے والا اللہ ہے۔ اس کے یہ افعال اس کی قدرت کا کرشمہ ہیں۔ مولوی عنایت اللہ صاحب کے معنوں کی تردید سورۃ حج ع ۱ کی ایک دوسری آیت نہایت وضاحت سے کر رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ نُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ یعنی ہم تمہیں جتنا عرصہ چاہتے ہیں (ماں کے) رحموں میں ٹھہراتے ہیں۔ پھر تمہیں بچہ کی صورت میں نکالتے ہیں پھر تمہیں جوانی تک پہنچاتے ہیں۔ تم میں سے بعض کو وفات دیدی جاتی ہے اور بعض کو ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانیں۔ دراصل پہلی آیت اور اس آیت کا مضمون منکم من یتوفیٰ سے لیکر آخر آیت تک پہلی آیت کے الفاظ یتوفاکم سے لے کر آخر تک کے الفاظ سے ملتا جلتا ہے۔ اور چونکہ اس میں دو دفعہ منکم کہکر انسانوں کی اس طرح تقسیم کی گئی ہے کہ بعض کو ارذل عمر تک پہنچنے سے پہلے خدا تعالےٰ وفات دیدیتا ہے اور بعض کو ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ اور مولوی صاحب کو احساس تھا کہ اس آیت کو میرے معنوں کی تردید میں پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ انہوں نے پہلی آیت میں یتوفاکم کے معنے پرورش و حفاظت کرتا ہے لیکر اس پرورش اور حفاظت کو ارذل عمر تک پہنچایا تھا مگر اس آیت میں

دو دفعہ منکم لاکر بعض کی توفی کا ذکر تھا اور بعض کو ارذل عمر تک پہنچانے کا اس لئے دو دفعہ منکم آنے سے پرورش و حفاظت کا مضمون ارذل عمر تک نہیں چل سکتا تھا اس لئے انہوں نے اس دوسری آیت کا ترجمہ بھی عجیب طرح سے بگاڑنے کی کوشش کی ہے وہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں :-

"پھر تمہیں پرورش کرتے کراتے جوانی تک پہنچاتے ہیں جو کہ یتوفاکم کی ٹھیک تفسیر ہے اور بعض اس اثناء میں اپنے اپنے وقتوں پر فوت بھی ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ارذل عمر تک پہنچکر طبعًا فوت ہوتے جبکہ علم و طاقت ختم ہو کر خود جواب دے دیتا ہے"

واہ صاحب! چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" یتوفاکم کی ٹھیک تفسیر اگر پرورش کرتے کراتے جوانی تک پہنچانا ہے تو پھر آگے بعض اس اثناء میں اپنے اپنے وقتوں پر فوت بھی ہو جاتے ہیں۔ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ یہ تو ٹھیک منکم من یتوفی کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ چور پکڑا گیا۔ حق آخر حق ہے اسے بناوٹ سے کوئی کتنا چھپائے چھپایا نہیں جا سکتا۔

ثبوت ۲۳ میں رمی جمار والی حدیث پیش کی گئی ہے جس کا رد ہم مضمون کے پہلے حصہ میں کر آئے ہیں۔

ثبوت ۲۴ کا رد اس نمبر میں مولوی عنایت اللہ صاحب نے رفاعہ بن رافع کی روایت سے یہ دعائے نبوی درج کی ہے۔

اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَ اَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ غَیْرَ

خزایا ولا مفتونین۔

اس کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ! ہمیں فرمانبردار ہونے کی حالت میں وفات دینا اور بغیر رسوائی اور فتنہ میں مبتلا ہوئے نیک لوگوں سے ملا دینا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:۔

"خدایا ہم کو ہر طرح کی ذلتوں اور فتنوں سے بچا کر خوشحال لوگوں میں شامل فرما"

اس ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب اس جگہ توفنا مسلمین کا ترجمہ بالکل چھوڑ گئے ہیں کیونکہ ان کا یہ ترجمہ صرف الحقنا بالصلحین غیر خزایا ولا مفتونین کے الفاظ کا ہے اس میں صالحین کا ترجمہ خوشحال لوگ بھی درست نہیں بلکہ الصلحین سے مراد اعمال صالحہ بجا لانے والے ہوتے ہیں۔ مولوی عنایت اللہ صاحب کا اس جگہ توفنا مسلمین کا ترجمہ یوں گول کر جانا ان کے اس ثبوت کو جو وہ توفی کے وفات کے معنوں میں استعمال کے خلاف دینا چاہتے تھے معدوم کر رہا ہے۔

سنیے مولوی صاحب! آپ تو اس جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ توفنا مسلمین کا ترجمہ "ہمیں فرمانبرداری کی حالت میں وفات دے" کے خلاف کچھ اور کرنا چاہتے تھے جو آپ سے رہ گیا ہے مگر آپ کے ذہن میں اس کے جو معنی بھی ہیں اگر وہ وفات دینے کے نہیں تو پھر وہ بالکل غلط معنے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث حضرت امام بخاری ادب المفرد باب دعوات النبیؐ میں یوں لائے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

دُعا فرماتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ" (الادب المفرد باب دعوات النبیؐ صفحہ ۱۰۳)

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں فرمانبرداروں کی حالت میں وفات دینا اور فرمانبرداروں کی حالت میں زندہ رکھنا اور رسوائی اور فتنوں میں مبتلا ہوئے بغیر صالحین سے ملا دینا۔

اس دعا میں تَوَفَّنَا مسلمین کے مقابل اَحْیِنَا مسلمین (ہمیں فرمانبرداروں کی حالت میں زندہ رکھنا) کے الفاظ تَوَفَّنَا مسلمین میں مذکور توفّی کے وفات کے معنوں میں استعمال کے لئے ایک زائد واضح قرینہ ہیں کیونکہ حیات کے مقابلہ میں توفّی کا ذکر آئے تو اسے خود مولوی عنایت اللہ صاحب بھی موت کے معنوں میں ہی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"اگر موصوف (حضرت عیسےٰ علیہ السلام۔ ناقل) مادمت حیًّا فلمّا توفیتنی فرماتے کہ جب تک میں زندہ رہا ہوں تب تک تو یہ بات ہے اور جب توفّی واقعہ ہوئی تو پھر یہ بات ہوئی تو اس وقت البتہ توفّی حیات کے مقابل ہونے کی وجہ سے موت ظاہر ہوتا۔" (کیل الموفیٰ صفحہ ۶)

وہ اب دیکھ لیں کہ اس حدیث میں تَوَفَّنَا کے مقابل اَحْیِنَا ہمیں زندہ رکھ کا ذکر ہے لہذا مولوی صاحب کو اپنے قول کے مطابق اس جگہ تَوَفَّنَا مسلمین کے معنے ہمیں فرمانبرداروں کی حالت میں وفات دینا تسلیم کرنے کے سوا کوئی

چارہ نہیں۔ اور جب توفّنا مسلمین کی دُعا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے "ہمیں فرمانبرداروں میں وفات دے" کے معنوں میں ایک جگہ ثابت ہوگئی، تو رفاعہ کی حدیث میں بھی اس کے یہی معنے درست ثابت ہوگئے اور حضرت یوسفؑ کی دُعا توفّنی مسلما۔ اور موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لانے والے ساحروں کی دعا توفّنا مسلمین اور مومنوں کی دُعا توفّنا مع الابرار میں بھی وفات کی دُعا ایسی موت کی تمنّا کی بحث سے خارج ہوگئی جو ناجائز ہے۔ اور وفات کے معنی ان دعائیہ آیات میں متحقق ہوگئے وھذا ھوالمرام۔

ثبوت ۲۵ کا رد اس جگہ مولوی عنایت اللہ صاحب نے زید بن ثابتؓ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے مندرجہ ذیل دُعا تلقین فرما کر بتاکید ہدایت فرمائی۔ کہ وہ اسے ضرور پڑھا کرے اور اپنے اہل وعیال سے بھی پڑھوائے۔ کہ انت ولّی فی الدنیا والاٰخرۃ توفّنی مسلمًا والحقنی بالصّٰلحین" (کیل المرفی صـ۶۴)

مولوی عنایت اللہ صاحب نے توفّنی مسلمًا کا ترجمہ کیا ہے۔ تو میری حفاظت فرماتا رہے اور ثبوت ۲۴ کی حدیث اور اس حدیث کے متعلق جو ثبوت ۲۵ میں پیش کی ہے لکھا ہے:۔

"ان ہر دو حدیثوں میں شرائط ثلاثہ موجود ہونے پر بھی موت کا ترجمہ ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس سے دعا مہمل ہو جائے گی۔ پھر موت

کی تمنا جیسے کہ میں پہلے مفصل عرض کر آیا ہوں ہرگز درست نہیں"۔
(کیل المونی ص۶۴-۶۵)

ہم نے ثبوت ۲۲ کے رد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری دُعا سے ثابت کر دیا ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب کے مسلمات کے رو سے بھی اس جگہ توفنا مسلمین کے معنے ہمیں فرمانبرداروں کی حالت میں وفات دے دلالت قطعیہ سے ثابت ہیں کیونکہ اس کے مقابل احینا مسلمین ہمیں فرمانبرداروں کی حالت میں زندہ رکھ کے الفاظ موجود ہیں۔ پس ایسی دعائیں موت کی ایسی تمنا پر مشتمل نہیں ہوتیں جو شرعاً ناجائز ہو۔ بلکہ ان سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جب ہمیں مقدر موت آئے جو ہر شخص کو ہی آنیوالی ہے تو ہم اس وقت فرمانبرداری کی حالت میں مریں۔ ان کے یہ معنی نہیں کہ ہمیں ابھی موت آجائے۔"

ثبوت ۲۶ کا رد اس ثبوت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دُعا اَللّٰھُمَّ توفنی مع الابرار ولا تجعلنی مع الاشرار وقنی عذاب النّار وَاَلحِقنِی بالاخیار پیش کی گئی ہے۔ جس کا ترجمہ ہے:۔

اے اللہ! مجھے وفات دے کر نیکوں میں شامل کرنا۔ مجھے شریروں میں شامل نہ کرنا۔ اور مجھے آگ کے عذاب سے بچانا اور نیکوں سے ملا دینا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

"اس جگہ توفی بمعنے موت ہرگز نہیں بلکہ لا تجعلنی مع الاشرار

کے مقابل واقع ہوکر اجعلنی کے معنوں کی تصریح کر رہی ہے"۔
توفی کا لفظ کیا ہوا مداری کا پٹارا ہوا۔ جس میں سے مولوی عنایت اللہ صاحب شعبدہ بازی سے توفّی کو ہر جگہ نئے سے نئے معنوں میں پیش کر دیتے ہیں گویا کہ لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے کوئی جادو کر رکھا ہے کہ وہ ان کے دام فریب میں آجائیں گے۔ مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے توفنی مع الابرار کا مطلب اس جگہ بقرینہ لا تجعلنی مع الاشرار اجعلنی مع الابرار ہے مگر پہلے انہیں یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ توفّی کا لفظ جعل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ دُوسرا یہ لفظ تو لغت عربی میں جعل کے معنوں میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ تو لا تجعلنی مع الاشرار کے الفاظ کو توفّی کے معنوں میں جعل کے لئے قرینہ قرار دینا خود جعلسازی ہوئی۔ اس جگہ وقنی عذاب النار مجھے آگ کے عذاب سے بچا کا تعلق چونکہ موت کے بعد کی زندگی سے ہے لہذا یہ الفاظ توفّی کے لفظ کے موت کے معنوں میں استعمال کے لئے شروط ثلاثہ کے پایا جانے کے علاوہ مزید ایک قرینہ ہیں۔ فافہم و تدبّر۔

ثبوت ۲۷ کا رد مولوی عنایت اللہ صاحب آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ پیش کرتے ہیں۔
ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں پیچھے چھوڑ جائیں تو ان کی بیویوں کے متعلق (وارثانِ میّت) کو وصیت ہے،

کہ انہیں (گھر سے) ایک سال تک فائدہ اٹھانے دیں۔ نکالیں نہیں۔
آگے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ کہ اگر وہ (خود اس
گھر سے سال گزرنے سے پہلے) نکل جائیں تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ
نہیں۔ کہ وہ اپنے نفسوں میں کوئی بھلا کام کریں۔ یعنی عدت گزار کر نکاح کرلیں
تو اس جائز فعل کی وجہ سے ان کے گھر سے نکل جانے پر وارثانِ میت پر کوئی
الزام نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب کا غلط ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب اس صحیح ترجمہ کے برخلاف
اس آیت کا تشریحی ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔

"جو لوگ گرفتار ہو کر کسی دوسرے ملک میں محبوس ہوں یا مفقود الخبر
ہو کر لاپتہ ہوں یا وہ کسی وجہ سے غیر قادر اور کمزور ہوں یا وہ ظلم اور
تعدی سے عمداً ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ یا وہ نان ونفقہ نہ دیتے
ہوں یا نہ دے سکتے ہوں۔ تو ایسے المناک مواقع پر ان کی جوان
منکوحہ عورتیں جس طرح بھی ہو سکے اور بن پڑے کم از کم ایک سال
تک انتظار کے بعد عالم دین سے فتویٰ اور حاکم وقت کی اجازت
لے کر دوسری شادی کرنے کی شرعاً مجاز ہیں۔ اس اثناء میں ان کا
کوئی اپنا یا پرایا انہیں سابق شوہروں کے عقد سے نکال کر اپنا الو
سیدھا نہیں کر سکتا۔ ہاں بعد از میعاد اگر وہ خود اپنی رضا و رغبت
سے سابق عقد سے نکل کر اپنا قانونِ الٰہی (کے) مطابق جدید انتظام

کریں تو پھر کسی پر کوئی حرج اور گناہ نہیں۔" (کیل الموفی ص۶۵)

گویا مولوی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں توفی کے لفظ کو مندرجہ ذیل چھ معنوں پر مشتمل قرار دیا ہے۔

اوّل۔ گرفتار ہو کر کسی دوسرے ملک میں محبوس ہونا۔

دوم۔ مفقود الخبر ہو کر لاپتہ ہونا۔

سوم۔ خاوند کا کسی وجہ سے غیر قادر اور کمزور ہونا۔

چہارم۔ خاوند کا ظلم و تعدّی سے بیوی کی طرف متوجہ نہ ہونا۔

پنجم۔ نان و نفقہ نہ دینا۔

ششم۔ نان و نفقہ نہ دے سکنا۔

یہ چھ معنی مولوی صاحب کے نزدیک اس آیت میں وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ میں استعمال شدہ توفّی کے ہیں۔ اور ایسے سب خاوندوں کی بیویوں کو مولوی صاحب ایک سال کا انتظار کر کے عالم دین کے فتویٰ اور حاکم وقت کی اجازت سے شرعاً نکاح کا مجاز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں نہ عالم دین کے فتویٰ کا ذکر ہے نہ حاکم وقت کی اجازت کا ذکر ہے اور توفّی کے یہ چھ کے چھ معنی بھی لغت سے ثابت نہیں۔ امّت محمدیہ میں سے قریباً چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی عالم دین اور فقیہہ کو اس آیت کی یہ تفسیر نہیں سوجھی۔

سیاق آیت کے خلاف معنی

مولوی عنایت اللہ صاحب کے اس آیت کی تفسیر میں بیان کردہ یہ چھپیوں کے چھ معنی مع تشریح سیاق آیت کے ہی خلاف ہیں۔ سیاق آیت میں وفات یافتہ خاوند

کی زوجہ کو خاوند کے گھر سے ایک سال فائدہ اٹھانے کی وصیت ہے اور میت کے وارثوں کو اسے سال بھر تک گھر سے نکالنے کی اجازت نہیں ہاں فان خرجن فلاجناح الخ کے رُو سے خود عورت سال کے اندر گھر سے نکل جانا چاہے اور اس طرح وارثانِ میت سے فائدہ اٹھانا نہ چاہے تو اسے اختیار ہے کہ گھر سے نکل کر اپنے متعلق کوئی معروف طریق اختیار کرے یعنی چار ماہ دس دن کی عدت گذرنے کے بعد نکل کر نکاح ثانی کرلے۔ اسے اس بارہ میں نہ عالم سے فتویٰ لینے کی ضرورت ہے نہ حاکم وقت سے اجازت کی ضرورت ہے۔

مولوی صاحب کو چونکہ اپنے مفید مطلب بات بنانا تھی۔ اس لئے متاعًا الی الحول کے معنے انہوں نے برخلاف لغتِ عربی ایک سال کا انتظار کرلئے ہیں۔ حالانکہ اس کے معنی ایک سال تک فائدہ اٹھانے دینا ہیں۔ اسی طرح غیر اخراج کے یہ معنے کرلئے ہیں کہ اپنے یا پرائے انہیں سابق شوہروں کے عقد سے نکال کر اپنا الّو سیدھا نہیں کرسکتے۔ حالانکہ اخراج سے مراد عقد سے نکالنا نہیں بلکہ سیاق کلام کے لحاظ سے گھر سے نکال کر فائدہ اٹھانے سے محروم کردینا ہے اسی طرح فان خرجن کے معنے انہوں نے یہ کردیئے ہیں کہ بعد از میعاد سابق عقد سے نکل کر اپنا قانونِ الٰہی کے ماتحت نکاح کرسکتی ہیں حالانکہ بعد از میعاد کے اس جگہ الفاظ موجود نہیں اور نہ ہی فَاِنْ خَرَجْنَ الخ کے الفاظ سے عورتوں کا اپنے زندہ خاوندوں کے نکاح سے نکلنا مراد ہے۔ بلکہ وفات یافتہ خاوندوں کے گھر سے بعد از عدت ایک سال کے اندر ان کا نکاح کی غرض سے نکلنا مراد ہے ایسی عورتیں ہی

وفات یافتہ خاوندوں کے گھر سے ایک سال کے اندر نکل سکتی ہیں۔ بشرطیکہ وہ معروف طریق اختیار کریں۔ یعنی وفات یافتہ خاوندوں کے گھروں میں چار ماہ دس دن کی عدت جو قرآن و حدیث میں مذکور ہے گزارنے کے بعد خاوند کے گھر سے نکلیں تا نکاح ثانی کر سکیں۔ وارثان میت ان کے اس طرح گھر سے نکلنے پر گنہگار نہیں ہوں گے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کو چیلنج اس جگہ ہم مولوی عنایت اللہ صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ متوفی کے اوپر بیان کردہ اپنے جھوٹے معنوں کا لغتِ عربی سے ثبوت دیں۔ اگر وہ نہ دے سکیں۔ اور یقیناً وہ ہرگز نہیں دے سکیں گے تو آئندہ وہ قرآن کریم کے معنے بگاڑنے سے توبہ کریں اور محض ایک جھوٹی بات کی تائید میں غلط معنوں پر کمربستہ ہونا چھوڑ دیں۔ کہ اسی میں ان کی آخرت کی بھلائی ہے۔

مولوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:-

امام بخاری نے اسے (مفقود الخبر کی بیوی کو) ایک سال کی انتظار دلائی ہے جیسے کہ صحیح بخاری میں موجود ہے جو کہ میرے اس ترجمہ اور مطلب کی مؤید ہے اور اگر جنگ میں مفقود ہوا ہے تو چار سال کی نسبت ایک سال زیادہ مناسب ہے کہ آیت کریمہ کا سیاق جنگی ہے۔ اور سعید بن مسیّب سے امام بخاری نے اسے نقل فرمایا ہے۔"

(کیل الموفی صـ۶۶-۶۷)

مولوی عنایت اللہ صاحب اس گول مگول عبارت سے یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں

کہ گویا امام بخاری علیہ الرحمۃ ان کے ترجمہ کے مؤید ہیں حالانکہ یہ ان کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری کے باب "حکم المفقود فی اھلہ ومالہ" میں ہرگز زیر بحث آیت کو بطور سند پیش نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بجائے حضرت سعید بن مسیّب کی روایت پیش کی ہے۔ کہ:۔

"اِذْ فُقِدَ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ عِنْدَ الْقِتَالِ تَرَبَّصَ امْرَأَتُهٗ سَنَةً"

یعنی جب کوئی مسلمان لڑائی کی صفِ اوّل میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے۔ بعد کی صفوں میں گم ہونے والے کی بیوی کے متعلق وہ یہ حکم قرار نہیں دیتے۔

امام بخاری اس روایت کے بعد یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ حضرت سعید بن مسیّب کے اس اجتہاد و قیاس کا مقیّس علیہ کیا ہو سکتا ہے۔ ایک اور روایت لائے ہیں جس میں گمشدہ چیز ملنے پر اس کے ایک سال تک شناخت کرایا جانے کی ہدایت ہے تاکہ اس کا اصل مالک مل جائے تو اسے واپس کی جا سکے۔ صحیح بخاری میں قرآن مجید کی زیر بحث آیت پیش کر کے اس سے یہ حکم اخذ نہیں کیا۔ دیکھو صحیح بخاری مجتبائی جلد ۲ صفحہ ۹۷۰

حضرت سعید بن مسیّب نے بھی یہ آیت پیش کر کے اس پر اس مسئلہ کا قیاس نہیں کیا۔

مسلماتِ حتم کے طور پر پیش کردہ اعتراضات کے جوابات

ثبوت صفحہ ۲۸ و ۲۹ میں مسلماتِ حتم کے عنوان کے تحت مولوی عنایت اللہ صاحب

نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دو الہام درج کیے ہیں۔ پہلا الہام البشریٰ جلد اوّل صلہ سے درج کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ قُلْ لِّضَیْفِكَ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ قُلْ لِّاَخِیْكَ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" اور دوسرا الہام جو آپ کی ذات کے متعلق ہوا اس کے الفاظ ہیں یا عیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ پہلے الہام کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے" جو تیرا مورد فیض اور بھائی ہے اسے کہہ میں تیرے پر اتمام نعمت کرونگا۔ یا تجھے وفات دونگا" اور دوسرے الہام کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ" اے عیسے میں تجھے کامل اجر بخشوں گا یا وفات دونگا"

مولوی عنایت اللہ صاحب نے ان الہاموں کے ترجمہ کے الفاظ" تیرے پر اتمام نعمت کردں گا" میں تجھے کامل اجر بخشوں گا" کو بطور الزام خصم پیش کیا ہے اور ان کے دوسرے معنوں یا تجھے وفات دوں گا" کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ بدیں وجہ بطور الزام خصم پیش نہیں ہو سکتا کہ یہ معنی ازالہ اوہام کی اس تحقیقات سے پہلے کے ہیں جو آپ نے قرآن مجید۔ احادیث نبویہ اور محاورات اہل زبان کے استقصاء کے بعد پیش کی ہے۔ اس تحقیقات سے آپ پر استقراء کلام اور محاورۂ اہلِ عرب کے تتبع سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جہاں جہاں توفّی کا فاعل خدا تعالےٰ ہے اور کسی ذی روح کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس کے معنی محض قبض روح کے ہیں نہ کہ قبض الروح مع الجسم کے چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے متعلق استعمال شدہ توفّی کے مشتقات کے معنے بعض علماء نے قبض الروح مع الجسم لے کر انہیں زندہ قرار دیا تھا اور یہ معنی آپ کی تحقیق میں

غلط تھے اس لئے آپ نے مطالبہ کیا کہ قرآن وحدیث اور اہل عرب کے قدیم وجدید کلام سے توفّی کی قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال کی کوئی مثال پیش کی جائے ایسی مثال پیش کرنے والے کو ہی آپ نے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس یہ دونوں مثالیں بطور الزام خصم اس لئے پیش نہیں ہوسکتیں۔ کہ اوّل تو یہ کہ کسی اہل عرب کے معنے نہیں۔ دوم ان الہامات کے معنے قبض الروح معہ الجسم نہیں کئے گئے۔ بلکہ اتمام نعمت یا کامل اجر بخشنا کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی وفات کے معنوں کا بھی احتمال قرار دیا گیا ہے پس چونکہ اتمامِ نعمت اور کامل اجر بخشنے کے معنی قطعی قرار نہیں دیئے گئے۔ بلکہ احتمالی قرار دیئے گئے ہیں اور آپ کی نئی تحقیقات نے ان معنوں کو محاورۂ زبان کے خلاف ہونے کی وجہ سے ردّ کر دیا ہے گویا اپنی نئی تحقیقات سے ان معنوں کو غلط قرار دے چکے ہیں اس لئے یہ معنی بطور الزامِ خصم پیش نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ یہ معنی آپ کی اس تحقیقات کے رُو سے درست نہیں بلکہ دوسرے معنے وفات دینا ہی درست ہیں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب پہلے الہام کے متعلق ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں:۔

ہاں احتمالی طور پر انہوں (حضرت مرزا صاحب) نے اس کا ترجمہ موت بھی کر دیا ہے مگر وہ بدیں وجہ ٹھیک نہیں کہ موت ہر ایک نیک و بد کے لئے مقرر ہے۔ بخلاف نعمت کے کہ وہ آپ کے عقیدہ

کے مطابق آپ کے بھائیوں اور دوستوں سے مخصوص ہو سکتی ہے
اگر موت سے طبعی موت مراد لے کر اپنے بھائیوں اور دوستوں
کی تخصیص مطلوب ہے کہ وہ ہر گز مصلوب و مقتول اور مرحوم
(مرحوم کا لفظ قابلِ تعجب ہے۔ ناقل) نہ ہونگے تو بھی ٹھیک
نہیں کیونکہ عبداللطیف اور عبدالرحمٰن کا قتل وقوع میں آچکا ہے
جن کے لئے مرزا صاحب نے سرّ الشہادتین (سرالشہادتین نہیں
بلکہ تذکرۃ الشہادتین ہے۔ ناقل) تصنیف فرمائی پس ترجمہ
اول ہی قابلِ ترجیح ہے (کیل الموفی ص۶۹)

اس کے جواب میں واضح ہو کہ مُتَوَفِّیکَ کے لفظ سے ان الہاموں
میں طبعی موت ہی مراد ہے پہلا الہام ۱۸۸۳ء کا ہے اس زمانہ میں صاحبزادہ
عبداللطیف اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا آپ سے کوئی تعارف نہ تھا
کہ ان کو آپ کا فیض اور بھائی قرار دیا جاتا۔ مُتَوَفِّیکَ میں ضمیر کاف
واحد مخاطب کے لئے ضمیر مفعول ہے جو بہ صراحت اس بات پر دال ہے کہ
یہ ایک دوست ۱۸۸۳ء کے دوستوں میں سے ہے جو آپ سے کامل طور پر فیض
یافتہ ہونے کی وجہ سے آپ کا فیض مجسم لینے والا تھا۔ سو یہ دوست حضرت
مولانا نورالدینؓ تھے جو آپ کے بعد آپ کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے اور
آپ نے طبعی وفات بھی پائی۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ آپ کی شان
میں اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ التبلیغ میں تحریر فرماتے
ہیں:-

وَیَابْتَعُنِیْ فِیْ کُلِّ اَمْرِیْ کَمَا یَتْبَعُ حَرَکَۃُ النَّبْضِ حَرَکَۃَ النَّفْسِ وَاِرَاہُ فِیْ رِضَائِیْ کَالْفَانِیْنَ۔"
(التبلیغ ۵۸۶)

کہ وہ ہر امر میں میری اس طرح متابعت کرتے ہیں جیسے نبض کی حرکت سانس کی حرکت کے تابع ہوتی ہے۔ اور میں انہیں اپنی رضا میں فانی لوگوں کی طرح پاتا ہوں۔

اس قسم کی تعریف آپ نے جماعت میں سے کسی دوست کی نہیں کی۔ لہذا حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ ہی اس الہام کے مصداق ہیں۔ نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی اور دوست اور بھائی فاندفع الشک۔

ثبوت نمبر ۳ :- مولوی عنایت اللہ صاحب نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے متعلقہ متنازعہ فیہا آیت کو ہی حضرت اقدسؑ کے چیلنج کے جواب میں پیش کر دیا ہے۔ اور مصادرہ علی المطلوب کے الزام سے بچنے کے لئے یہ عذر کر دیا ہے کہ آپ اسے بطور الزام خصم پیش کر رہے ہیں وہ آیت یہ ہے :-

وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ۔ (مائدہ آخری رکوع)

یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہ سوال ہونے پر کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو؟ جواب میں پہلے

تو یہ کہیں گے کہ (اے خدا) تو پاک ہے جس بات کا مجھے حق نہیں ہے انہیں کیسے کہہ سکتا تھا اگر میں نے ایسا کہا ہے تو تُو جانتا ہے تو میرے نفس کی بات جانتا ہے اور میں تیرے نفس کی بات نہیں جانتا۔ تُو تو غیبوں کا خوب جاننے والا ہے میں نے تو انہیں وہی بات کہی تھی۔ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اس جواب کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام اوپر درج کردہ آیت کے الفاظ میں خدا تعالےٰ کے حضور عرض کریں گے۔

"میں ان لوگوں کا اس وقت تک نگران تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دیدی تو ان پر تُو ہی نگران تھا"

اس جواب سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قوم ان کی قوم میں موجودگی کے وقت نہیں بگڑی بلکہ ان کی وفات کے بعد بگڑی ہے۔ اور وہ قیامت تک اپنی قوم میں واپس نہیں آئے ہوں گے۔ کیونکہ وہ جواب میں کہیں گے جب تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا یعنی وفات کے بعد پھر مجھے تو ان کی نگرانی کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ تو ان کے بگڑنے کی ذمہ داری مجھ پر کیسے عائد ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ آیت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات پر نصِ صریح ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب کا الزامِ خصم

مولوی عنایت اللہ صاحب اس آیت کے متعلق بطور الزامِ خصم لکھتے ہیں:۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف (حضرت عیسےٰ علیہ السلام ناقل)

نے اپنی زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم فرمایا ہے ایک حصّہ جو کہ اپنی قوم میں رہ کر گزارا اس کی بابت مَادُمْتُ فِیْھِمْ فرمایا اور دوسرا حصّہ جو کہ معًا بعد اس کے بعد شروع ہوگیا اسے تَوَفَّیْتَنِیْ سے تعبیر فرمایا (کیل الموفی صـ۶۹)

یہاں تک مولوی صاحب کا بیان ہمیں پورے کا پورا مسلم ہے مگر وہ آگے لکھتے ہیں:۔

اگر توفّی سے اس جگہ موت مراد لی جائے جو کہ مَادُمْتُ فِیْھِمْ کے معًا بعد واقع ہوئی تو پھر صاف ظاہر ہوگا کہ موصوف شامیوں (اہل قسطنطنیہ۔ ناقل) سے علیحدہ ہو کر کہیں دوسری جگہ ہرگز تشریف نہیں لے گئے[1]۔ حالانکہ مرزا صاحب نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے کہ شامیوں سے علیحدہ ہو کر آپ نے کشمیر سری نگر میں اپنی عمر کا اکثر حصّہ تقریبًا ۷۸ سال گزارا ہے۔ اگر موصوف مَادُمْتُ حَیًّا فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ فرماتے کہ جب تک میں زندہ رہا ہوں تب تک تو یہ بات ہے اور جب توفّی واقع ہوئی تو پھر یہ بات ہوئی تو اس وقت البتہ توفّی حیات کے مقابل واقع ہوتے

---

[1] مگر مولوی عنایت اللہ صاحب تو شامیوں سے علیحدہ ہونا درست نہیں سمجھتے لہٰذا انہیں تو بہرحال موت کے معنے ماننے چاہئیں اس صورت میں مادمت فیھم سے زمانہ حیات ہی مراد ہوا۔ اور توفی حیات کے بالمقابل ہونیکی وجہ سے انہیں موت کے معنے ماننا پڑے۔

کی وجہ سے موت ظاہر کرنا مگر یہاں پر تو توفی مَا دُمْتُ فِیْھِمْ
کے مقابل واقع ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ مَا دُمْتُ فِیْھِمْ کا مقابل
موت نہیں بلکہ خروج اور غیر حاضری ہے۔" (کیل الموقی مث)

ہمارا جواب اس کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ خروج اور غیر حاضری منافی موت نہیں۔ بلکہ موت بھی خروج اور غیر حاضری کی ہی ایک صورت ہے۔ پس توفی سے پہلے کا زمانہ مَا دُمْتُ فِیْھِمْ حیات کے لئے کنایہ ہے اور قوم میں موجودگی کے لئے صریح ہے۔ واضح ہو کہ ہمیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بیان کے مطابق یہ تو مسلّم ہے کہ حضرت عیسے علیہ السّلام نے کشمیر میں ضرور ہجرت کی۔ مگر ہمیں یہ مسلّم نہیں کہ انہوں نے اپنے بیان کے الفاظ مَا دُمْتُ فِیْھِمْ سے صرف شامی لوگ مراد لیے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کے سوال میں قیامت کے دن ان سے یہ پوچھا جائے گا۔ کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو۔ قیامت کے دن ان سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ کیا تو نے شامیوں یا اہلِ فلسطین سے ایسا کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو۔ پس سوال چونکہ مطلق قوم کے متعلق ہوگا لہٰذا اس سوال کے جواب میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی قیامت کے دن مطلق قوم کے متعلق ہی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کے لوگوں سے ایسا نہیں کہا تھا بلکہ انہیں یہی کہا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ چنانچہ ان کا یہی جواب دینا مذکور ہے۔ چونکہ اس جواب پر یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ اگر تم نے ایسا نہیں کہا۔ تو تم نے انہیں ایسا کرنے سے منع

بھی کیا ہے یا نہیں؟ حضرت عیسےٰ علیہ السلام دفع دخلِ مقدّر کے طور پر یعنی اس متوقع سوال کے جواب میں کہیں گے۔ کُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کہ میں جب تک ان لوگوں میں رہا۔ ان کا نگران رہا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دیدی تو ان کا تو ہی نگران تھا۔ پس اس جواب میں محض شامی لوگ ہی ان کے مدّنظر نہیں ہوں گے کیونکہ انہیں تو توفّی کے بعد قیامت تک یہ علم نہیں ہوگا کہ بگاڑ شامیوں میں پیدا ہوا ہے یا کشمیریوں میں۔ پس وہ جواب میں مَا دُمْتُ فِيهِمْ کے الفاظ سے علی الاطلاق شامیوں اور کشمیریوں دونوں میں رہنے کا زمانہ مراد لیں گے۔ گویا کہیں گے کہ میری ان میں موجودگی کے زمانہ میں انہوں نے ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا ہاں میری اس موجودگی کے بعد تو میری توفّی ہوگئی اور میری نگرانی ختم ہوگئی۔ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ۔ پھر تو اے خدا تو ہی ان پر نگران تھا مجھے تو ان کی نگرانی کا پھر موقعہ ہی نہیں ملا۔ اس لئے مجھ پر ان کے غلط عقائد اختیار کرنے کی کسی طرح بھی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی پس یہ آیت وفاتِ مسیح پر نصِ صریح ہے۔ کیونکہ اگر اس جگہ تَوَفَّيْتَنِي کے معنے زندہ مع روح و جسم اٹھا لینا کئے جائیں جیسا کہ بعض مفسرین نے یہ معنے اختیار کئے ہیں تو پھر یہ ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات واقع ہی نہیں ہوئی۔ کیونکہ بیان میں مذکور توفّی کا دامن تو قیامت تک ممتد ہے اور اس سے واپسی کا كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ

کے الفاظ میں انکار مذکور ہے۔ لہٰذا اگر توفّی کے معنی زندہ مع روح جسم قبض کر لینا یا اٹھا لینا کئے جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کے دن تک زندہ ہی رہیں گے۔ اور موت کی صورت میں ان کی توفّی ہو گی ہی نہیں۔ اور یہ بات نصِّ قرآنی کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ یعنی ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے کے صریح خلاف ہے لہٰذا روح معہ جسم زندہ اُٹھا لینے کے معنی اس محال کو مستلزم ہیں، کہ قیامت کے دن تک حضرت عیسےٰ علیہ السّلام پر موت ہی نہیں آئی ہو گی۔ اور جو عقیدہ محال کو مستلزم ہو وہ چونکہ محال ہوا کرتا ہے لہٰذا اس جگہ توفّی کے معنے زندہ روح معہ جسم اٹھا لینے یا قبض کر لینے کے محال قرار پائے اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے اس بیان میں توفّی کے معنے موت متعین ہو گئے۔ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس توفّی کے بعد واپس دنیا میں آئے ہوں تو پھر وہ کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ بیان صریح جھوٹ بن جاتا ہے اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ ان کا کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ کہنا ان کی دنیا میں عدم واپسی پر اشارۃ النص ہے اگر وہ دوبارہ آئے ہوں تو پھر تو انہیں جواب میں کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ کی بجائے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ جب تو نے میری توفّی کے بعد مجھے دوبارہ دُنیا میں بھیجا تو میں نے دیکھا کہ یہ لوگ مجھے اور میری ماں کو معبود مان رہے ہیں پھر میں نے ان کی اصلاح کی اور انہیں صحیح عقیدہ

پر قائم کر دیا۔ اس کے بعد تو نے میری دوسری توفّی وفات کی صورت میں کی۔ لہٰذا ان کی اصلاح کر دینے کے بعد مجھ سے اس سوال کا کوئی موقعہ نہیں کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو؟ پس حضرت عیسٰے علیہ السلام کے اس بیان میں دوبارہ آمد اور قوم کی اصلاح کرنے کا ذکر نہ ہونا بلکہ اس کے بجائے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے بعد كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کا بیان اس بات پر نص صریح ہے۔ کہ اس آیت میں توفّی کے معنے موت ہی ہیں نہ کچھ اور۔ حضرت عیسٰے علیہ السّلام نے مَا دُمْتُ فِيْهِمْ کی بجائے مَا دُمْتُ حَيًّا اس لئے نہیں فرمایا کہ ایسا کہنا جھوٹ ہوتا۔ کیونکہ انہیں زمانۂ حیات میں ساری قوم کی بیک وقت نگرانی کا موقعہ نہیں ملا۔ بلکہ کچھ حصّۂ زندگی اہلِ فلسطین کی نگرانی کا موقعہ ملا۔ اور کچھ حصّۂ زندگی اہلِ کشمیر کی نگرانی کا موقعہ ملا۔ اس لئے وہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ کہہ کر ہی اپنی برأت کا اظہار کر سکتے تھے۔ نہ کہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ حَيًّا کہہ کر۔ ہاں مَا دُمْتُ فِيْهِمْ "حیاۃ" کو چونکہ مستلزم ہے اس لئے اس کے معًا بعد فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کا ذکر ان کی وفات پر نصِّ صریح ہے۔ اور مولوی صاحب کا استدلال باطل ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف الزام خصم تب دے سکتے تھے جب حضرت اقدسؑ نے مادمت فیھم کے معنے جب تک میں شامیوں کے درمیان رہا کئے ہوتے۔ مگر جب یہ معنی حضرت اقدسؑ نے

نہیں کئے تو الزام خصم تو درست نہ ہُوا بلکہ مصادر علی المطلوب ہو گیا جس کی ایک عالم سے توقع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ متنازعہ فیہ لفظ تَوَفَّیْتَنِیْ کو ہی بطور دلیل پیش کردینا سراسر ناجائز اور محض تحکّم ہے۔

دوسرا الزام خصم اور ہمارا جواب

اس کے بعد الزام خصم ثابت کرنے کے لئے مولوی عنایت اللہ صاحب نے قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی ایک ادھوری عبارت ظہور المہدی صلا۹ سے پیش کی ہے جو یہ ہے:۔

یہاں مادمت فیھم فرمایا مادمت حیًّا جب تک میں زندہ رہا نہیں کہا یہ اسلئے کہ آپ پر کچھ زمانہ ایسا بھی گزرا تھا کہ آپ زندہ تھے مگر ان شامیوں میں نہ تھے بلکہ ہجرت الی الکشمیر کرگئے تھے۔"

(دکیل الموفی صف۲)

اس عبارت کے منطوق سے ظاہر ہے کہ قاضی صاحب موصوف مادمت فیھم سے حضرت علیٰے علیہ السلام کی اس زندگی کا زمانہ مراد لے رہے ہیں جبکہ آپ ان شامیوں میں نہ تھے بلکہ ہجرت الی الکشمیر کرگئے تھے مگر دیکھئے مولوی عنایت اللہ صاحب ان کے کلام کا مفہوم بگاڑ کر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"بہت اچھا یہ بات تو دونوں فریق میں مسلّم ہے کہ موصوف نے مادمت فیھم کے بعد اپنی زندگی کا اکثر حصہ کسی دوسری جگہ رہ کر گذارا ہے جسے انہوں نے توفیتنی کہکر بیان کیا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کس جگہ گذارا ہے ایک فریق کہتا ہے کہ وہ کشمیر سری نگر میں رہ کر

گزارا ہے اور دوسری جماعت (افعلک الی الابۃ (آل عمران) الہی وعدہ اور (بل رفعہ اللّٰہ الیہ (النسآء) اس الہی وعدہ کی وفا کی بناء پر کہتی ہے کہ آسمان پر رہ کر گزارا ہے چونکہ اس جگہ رفع کا لفظ زیر بحث نہیں آیا کہ آسمان کا ذکر کیا جائے اور نہ ہی کشمیر کی خصوصیت مطلوب ہے اور نہ یہ مقصود ہے کہ اس وقت عیسےٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا کہ نہیں۔ مطلب تو یہ ہے کہ اس موصوف نے اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر بھی زندگی گزاری ہے جسے وہ الہی توفّی سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اپنے مسلک کے مطابق مجھے یہی ثابت کرنا تھا جو کہ نہایت آسانی سے مسلّمات خصم کی بنا پر ثابت ہو گیا ہے۔ (کبیل الموفّی ص۱۷ د۲۷)

مولوی صاحب کی ایک چال

مولوی عنایت اللہ صاحب کی ایک چال دیکھئے۔ انہوں نے قاضی ظہور الدین صاحب کی تحریر کے مفہوم کو خلاف منشائے متکلم لے کر پھر اس سے اپنا اتحاد ظاہر کر کے الزام خصم دینے کی کوشش کی ہے۔

جواب

جواب میں واضح ہو کہ یہ بات قاضی ظہور الدین صاحب کو مسلّم نہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مادمت فیھم کے بعد اپنی زندگی کا اکثر حصہ کسی دوسری جگہ گزارا ہے جسے انہوں نے توفّیتنی کہکر بیان کیا ہے۔ بلکہ قاضی صاحب موصوف کے نزدیک مادمت فیھم کا زمانہ ان کی ہجرت کے بعد کی کشمیر کی زندگی پر مشتمل ہے (اور کشمیری بھی ان کی قوم تھے کیونکہ وہ اسرائیلی تھے) اس کے بعد فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ سے ان کی اس دنیا کی زندگی

کا وفات کے ذریعہ ختم ہو جانا مراد لیا ہے۔ پس مولوی عنایت اللہ صاحب کے الزام خصم کی بنیاد کو ہی قاضی ظہور الدین صاحب صحیح تسلیم نہیں کرتے تو الزام خصم کیسے درست ہوا؟ چنانچہ آگے وہ ایک سوال و جواب کی صورت میں لکھتے ہیں:-

"بعض کہتے ہیں تَوَفَّیْتَنِیْ کی بجائے ھجرتنی الی الکشمیر آنا تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے آپ نے ان ایام کی بریت کی جن میں آپ زندہ رہے مگر شام میں نہ تھے (گویا کشمیر میں تھے۔ ناقل) پھر تَوَفَّیْتَنِیْ کہکر قیامت تک کے عیسائیوں شامی ہوں یا کشمیری سے بریت ظاہر کی کہ مجھے ان کی کچھ خبر نہیں تو ہی ان کا نگران حال تھا اس مقام پر غور کرو انت (یعنی کنت میں جو انت کی ضمیر ہے۔ ناقل) کا تقدم حصر کا فائدہ دے رہا ہے اگر نزول کے وقت آپ آئے اور سب عیسائیوں کو مسلمان کیا ہے تو پھر لاعلمی کا اظہار ایک صاف جھوٹ ہے جو نبی کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔۔۔۔۔ یہاں توفیتنی کے معنی ضرور موت کے ہونے چاہئیں کیونکہ جواب و سوال قیامت کا ہے کیا اس وقت بھی آپ کی وفات نہ ہوگی۔" (ظہور المہدی ص۱۹)

اس سوال و جواب سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی ظہور الدین صاحب مولوی عنایت اللہ صاحب سے اس بات میں ہرگز متفق نہیں کہ مَا دُمْتُ

فیھم کا تعلق محض شامی لوگوں سے ہے۔ انہوں نے صاف لکھدیا ہوکہ

پہلے آپ نے ان ایام کی بریّت کی جن میں آپ زندہ رہے

اور شام میں نہ تھے۔ پھر توفیتنی کہکر قیامت تک کے عیسائیوں

شامی ہوں یا کشمیری سے بریّت ظاہر کی۔

پس جب قاضی صاحب موصوف آئتن ما دمت فیھم کو کشمیر میں

ہجرت کے زمانہ سے متعلق قرار دیتے ہیں اور مولوی عنایت اللہ صاحب

محض شامیوں میں رہنے کے زمانہ سے تو پھر دونوں میں ایک بات پر

اتفاق نہ ہوا۔ لہذا مولوی عنایت اللہ صاحب کا الزام خصم درست نہ ہوا۔

باقی رہا رَافِعُکَ اِلَیَّ کے الفاظ میں رفع کا الٰہی وعدہ اور بل

رفعہ اللہ الیہ میں اس کا ایفاء۔ سو اس وعدہ سے پہلے مُتَوَفِّیْکَ

کے لفظ میں وفات دینے کا وعدہ ہے۔ پس وفات کے بعد رفع الی اللہ

کے وعدہ میں رُوح کا رفع ہی مراد ہو سکتا ہے۔ جس کا بل رفعہ اللہ

الیہ میں پورا کیا جانا بیان کیا گیا ہے۔ آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ

کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ کے رُو سے آپ کی توفی تا دیا مت

رہتی ہے اور اس سے واپسی کا قرآن مجید میں ذکر نہیں۔ بلکہ کُنْتَ

اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ کے الفاظ عدم واپسی کے لئے اشارۃ

النّص ہیں۔

بعض ضمنی اعتراضات کے جوابات

مولوی عنایت اللہ صاحب کی کتاب کے تمام پیش کردہ ثبوتوں کے

ردّ کے بعد ان کے بعض ضمنی اعتراضات کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔

اعتراض مولوی عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

مرزا صاحب کا استقراء اس باب میں نہ صرف ناقص بلکہ صریحاً خیانت بھی ہے چنانچہ ازالہ اوہام صفحہ ۳۶۲ جلد ۲ میں آپ نے فرمایا ہے کہ امام محمد اسمٰعیل بخاری نے اس جگہ اپنی صحیح میں ایک لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم سات ہزار مرتبہ توفّی کا لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بعثت کے بعد آخر عمر تک نکلا ہے اور ہر ایک لفظ توفّی کے معنے قبض روح اور موت تھی سو یہ نکتہ بخاری کا منجملہ ان نکات کے ہے جن سے حق کے طالبوں کو امام بخاری کا مشکور ہونا چاہیئے مجدّد کہلا کر کیسا صاف اور سفید جھوٹ بولا ہے اور کیسی بد دیانتی کی ہے۔ بخاری شریف میں اس کا ذکر تو کیا اشارہ تک موجود نہیں " (کیل الموفّی صفحہ ۱۹۸)

الجواب اس اعتراض کے آخر میں مولوی صاحب بے لگام ہو کر گالیوں پر اتر آئے ہیں۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں ثابت کر دیا ہے۔ کہ مولوی عنایت اللہ صاحب نے حضرت اقدسؑ کے استقراء کے ناقص ثابت کرنے کے لئے جو تیس۳۰ ثبوت پیش کئے ہیں۔ وہ سراسر باطل ہیں ان میں سے کوئی ثبوت بھی حضرت اقدسؑ کے چیلنج کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکا۔

باقی رہا امام بخاری کے ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانے کا ذکر اور مولوی عنایت اللہ صاحب کا اسے سفید جھوٹ اور بد دیانتی قرار دینا۔ سو یہ ان کی حلد بازی اور غور و فکر کئے بغیر اشتعال طبع کا نتیجہ ہے۔ جب کسی انسان کے پاس دلیل نہ ہو تو وہ گالیوں پر اتر آتا ہے تاکہ اس کی اپنی کمزوری چھپی رہے ورنہ اگر وہ غور و فکر سے کام لیتے تو ہرگز یہ اعتراض زبان پر نہ لاتے۔ حضرت اقدسؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ امام بخاری نے ایسا لکھا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے پس جب تک کوئی شخص ٹھنڈے دل سے کام نہ لے وہ اس نکتہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

مولوی صاحب اپنے اعتراض کو زیادہ پختہ کرنے اور گالیوں سے اپنی زبان کو زیادہ ملوث کرنے کے لئے لکھتے ہیں:۔

"یہ آپ کا ابتدائی بیان ہے جو کہ آپ کی کتاب ازالہ اوہام میں درج ہے اور آپ کی انتہائی تحقیق آپ کی آخری کتاب براہین احمدیہ میں درج ہے کہ مجھے تین سو سے زیادہ احادیث میں سے ملیں جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں توفی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہ جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف مار دینے کے معنے ہیں نہ کچھ اور۔ ابتدائی زمانہ میں صرف بخاری سے ہزاروں تک کی اعداد شماری ہوئی ہے پھر جب دیگر کتب حدیث کو اس کے ہمراہ شامل فرما کر مطالعہ

وسیع کیا ہو تو سابق علم سلب ہو کر ہزاروں کی تعداد سابنکہ ڈول ہیں آ سکڑی ہی" (اس کے بعد مولوی عنایت اللہ صاحب نے پھر گالیاں دی ہیں جو نقل نہیں کی گئیں۔ ناقل) (کبیل الموفی صفحہ ۶۷،۵)

اس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ مولوی عنایت اللہ صاحب کی غلط بیانی کے آئینہ دار ہیں۔ کیونکہ اپنے ابتدائی زمانہ کی کتاب ازالہ اوہام میں حضرت اقدس نے امام بخاری کے صرف اس نکتہ کی طرف ہی توجہ دلانے کا ذکر نہیں فرمایا کہ "کم از کم سات ہزار مرتبہ توفّی کا لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بعثت کے بعد آخری عمر تک نکلا ہے۔ اور ہر ایک لفظ توفّی کے معنی قبض روح اور موت تھی۔" بلکہ اس کتاب ازالہ اوہام میں آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:-

"ان تمام کتابوں میں جو داخل مشکوٰۃ ہیں تین سو چھیالیس مرتبہ مختلف مقامات میں توفّی کا لفظ آیا ہے اور ممکن ہے کہ میرے شمار کرنے میں بعض توفّی کے لفظ رہ بھی گئے ہوں لیکن پڑھنے اور زیر نظر آ جانے سے ایک بھی لفظ باہر نہیں رہا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۶۱)

پس سات ہزار مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے توفّی کا لفظ نکلنے کے ذکر کے ساتھ ہی حدیثوں میں توفّی کے استعمال کا شمار ازالہ اوہام میں ہی آپ نے تین سو سے زائد مرتبہ ہونا بیان فرما دیا تھا۔ لہٰذا براہین احمدیہ حصہ پنجم کا بیان جو آخری زمانہ کی کتاب ہے ازالہ اوہام

کے کسی بیان سے مختلف نہیں۔ براہین احمدیہ میں آپ نے بقول مولوی عنایت اللہ صاحب یہ لکھا ہے کہ:۔

"مجھے تین سو سے زیادہ احادیث میں سے ملیں جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں توفی کا لفظ خدا کا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہ جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف مار دینے کے معنے ہیں نہ کچھ اور" (کبیل الموفی صـ۴۷)

پس ازالہ اوہام کا بیان جو ابتدائی زمانہ کی کتاب ہے براہین احمدیہ حصہ پنجم کے بیان سے جو آخری زمانہ کی کتابوں میں سے ہے مختلف نہیں بلکہ دونوں باہم تطابق رکھتے ہیں لہذا مولوی عنایت اللہ صاحب کا یہ اعتراض کہ:۔

ابتدائی زمانہ میں صرف بخاری سے ہزاروں تک کی اعداد شماری ہو رہی ہے۔ پھر جب، دیگر کتب حدیث کو بھی اس کے ہمراہ شامل فرما کر مطالعہ وسیع کیا تو سابق علم سلب ہو کر ہزاروں کی تعداد سینکڑوں میں آسکڑی۔ (کبیل الموفی صـ۴۷)

بالکل ناواجب اعتراض ہے حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے بخاری شریف سے سات ہزار بار توفی کے حدیثوں میں موجود ہونے کا ذکر نہیں فرمایا تھا بلکہ امام بخاری کے اس نکتہ کی طرف توجہ دلانے کا ذکر فرمایا تھا کہ توفی کا لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سات ہزار بار نکلا ہے جس کے معنے قبض روح اور موت کے ہیں حضرت مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا ہے کہ احادیث نبویہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی

زبان سے توفّی کا لفظ کم از کم سات ہزار بار کے شمار میں موجود ہے۔
اگر مولوی عنایت اللہ صاحب جوش میں آکر گالیوں پر نہ اُتر آتے۔
اور خشیت اللہ سے کام لے کر حضرت مرزا صاحب کے کلام کے مفہوم
کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ تو نہ وہ ابتدائی زمانہ کے بیان کو آخری زمانہ
کے بیان سے مختلف قرار دینے کی غلط بیانی کے مرتکب ہوتے اور نہ
سات ہزار بار توفّی کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
سے نکلنے کے ذکر پر معترض ہوتے بلکہ انہیں اس قول کے صحیح ہونے
کے متعلق بھی صحیح بخاری میں ہی اشارہ مل جاتا۔

حضرت امام بخاری صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن
العاص سے روایت کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو ایک
رات میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ تو انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے پہلے ایک ماہ میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی پھر زیادہ سے زیادہ
ایک ہفتہ میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دین میں آسانی پسند فرماتے تھے۔ آپؐ
جو نصیحت دوسروں کو کرتے تھے عموماً خود بھی اس پر عمل کرتے تھے کیونکہ
قرآن مجید کی عام ہدایت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ آپؐ کے
مدنظر تھی۔ کہ تم کیوں وہ بات کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے قرآن
مجید کی سات منزلیں بھی اس لئے مقرر کی گئی ہیں کہ قرآن مجید زیادہ سے
زیادہ سات دن میں ختم کرنے میں آسانی رہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم کے ختم قرآن کو اس حساب سے شمار کیا جائے۔ تو آپؐ نے اپنی عمر کے بیس سالوں میں اوسطاً ایک ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم فرمایا۔ چونکہ مکہ میں توفّی کے افعال پر مشتمل آیات کم تھیں اور مدینہ میں زیادہ۔ اگر اوسطاً تمام ختموں میں سات دفعہ توفّی کے مضمون پر مشتمل آیات پڑھنے کی رکھی جائے تو آپؐ نے ۱۰۰۰ × ۷ = ۷۰۰۰ یعنی اپنی عمر میں کم از کم سات ہزار بار لفظ توفّی وفات کے معنوں میں اپنی زبانِ مبارک سے نکالا یہ ایک موٹا حساب ہے جس کے رُو سے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا یہ بیان بالکل سچ ہے کہ کم از کم سات ہزار مرتبہ توفّی کا لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بعثت سے لے کر آخر عمر تک نکلا ہے اور ہر ایک لفظ کے معنے قبض روح اور موت تھی"۔

امام بخاری کی عبداللہ بن عمرو بن العاص والی روایت میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو سات دن میں قرآن مجید ختم کرنے کی ہدایت فرمائی تھی تو خود آپؐ کا اپنا معمول بھی یہی ہو سکتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپؐ معاذ اللہ لَمْ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

دوسرا اعتراض

مولوی عنایت اللہ صاحب کا توفّی کے متعلق چیلنج پر ہے وہ لکھتے ہیں:۔

مرزا صاحب نے موصوف (مولانا نورالدینؓ۔ ناقل) کے وثوق اور اعتبار پر اسے (چیلنج کو) ایک ہزار روپیہ انعام سے شائع فرمایا پھر اپنی آخری کتاب براہین احمدیہ صفحہ ۲ حصہ ۵ میں دو صد روپیہ کا اعلان فرما کر انعام کم کر دیا۔ اور چیلنج میں ایک مزید شرط کا اضافہ فرمایا کہ بطور علم کوئی انسان مفعول بہ ہو جس کا نام زید۔ بکر۔ خالد لیا گیا ہو۔ حالانکہ سابق چیلنج میں مفعول بہ کے لئے صرف ذی روح کی قید ہے خواہ وہ انسان یا جن یا کہ پرند۔ چرند۔ درند اور چارپائے ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتب بینی سے آپ کو اس کے خلاف کئی ایک دلائل دستیاب ہوتے جن کو بوجہ یاس تنگی سے ظاہر نہیں کیا۔ اور شرط بڑھا اور انعام گھٹا کر چیلنج کو خود بھی کمزور اور بیجان کر دیا۔ (کبل الموقی صفحہ ۷۵)

اس اعتراض کے بعد آپ تعلّی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کے بعد اللہ پاک نے رسالہ گوسالہ سامری لکھوا کر اس کی رہی سہی جان بھی نکلوا دی۔ اب یہ رسالہ لکھوا کر اس نے بالکل ہی اسے دفن کرا دیا ہے۔ اور قصر خلافت و امارت میں صفِ ماتم بچھوا دی کہ بیٹھے رویا کریں۔"

مولوی عنایت اللہ صاحب کی بدگوئی سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم صرف اتنا لکھتے ہیں کہ جس چیلنج کو وہ مردہ تصور کر کے اپنی کتاب کے ذریعہ دفن کرنے کے دعوے دار ہیں ہم نے ان کے پیش کردہ ثبوتوں کو نمبروار ردّ کر کے

خدا کے فضل سے ان کی اس تعلّی کو باطل کرکے دکھا دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت اقدسؑ کا چیلنج پہلے کی طرح ایک مضبوط چٹان پر قائم ہے۔ جس کو مولوی عنایت اللہ صاحب اپنی جگہ سے ذرہ بھر ہلا نہیں سکے۔

اعتراض کا جواب

ان کے اصل اعتراض متعلقہ چیلنج ثانی کے جواب میں واضح ہو کہ ازالہ اوہام کا چیلنج جس میں ایک ہزار روپیہ کا انعام اپنی ملکیت کی زمین بیچ کر ادا کرنے کے متعلق تھا براہین احمدیہ حصہ پنجم کے اس چیلنج کے وقت بھی قائم تھا۔ آپ نے پہلے چیلنج کی منسوخی کا اعلان نہیں کیا تھا۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم کا دو صد روپیہ نقد دینے کا چیلنج دراصل اس ایک ہزار روپیہ پر مزید نقد روپیہ ادا کرنے کی صورت میں اضافہ ہے۔ بشرطیکہ چیلنج کے جواب میں مثال پیش کرنے والا توفّی کا استعمال عَلَم کے لئے دکھائے نہ کہ مطلق ذی روح کے لئے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جن کی توفّی زیر بحث ہے۔ ان کا نام عیسیٰ لے کر ان کی توفّی کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور تین صد سے زائد حدیثوں میں بھی توفّی کا استعمال عَلَم کے متعلق موت کے معنوں میں ہوا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی زندگی میں کوئی ایسی مثال پیش کر دیتا جس میں عَلَم کے لئے توفّی کا استعمال ہوا ہو۔ اور موت کے معنوں میں نہ ہوا ہو بلکہ قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں ہوا ہو تو وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے ذی روح کے متعلق استعمال بھی دکھا دیا ہے اور عَلَم کے متعلق استعمال بھی دکھا دیا ہے۔

لہذا مجھے دو صد روپیہ نقد اور ایک ہزار روپیہ بلکیت کی زمین بیچکر ادا کیا جائے
اگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے پہلے چیلنج کی منسوخی کا اعلان کر کے یہ چیلنج دیا
ہوتا تو پھر مولوی صاحب کے لئے ایک ایسے اعتراض کی گنجائش ہوتی مگر جب
خود مولوی عنایت اللہ صاحب نہ ذی روح کے لئے توفی کا استعمال اس دنیا سے
متعلق موت کے سوا قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں قرآن مجید یا احادیث
یا کلام عرب سے کسی قطعی دلیل کے ساتھ ثابت کر سکے ہیں اور نہ علم کیلئے توفی کا ایسا
استعمال دکھا سکے ہیں تو پھر اس چیلنج کے نیم جان ہونے یا دفن کیا جانے کا دعویٰ
صریح غلط بیانی نہیں تو اور کیا ہے۔ تحدّی یا چیلنج کا بعض وجوہ سے مختلف
رنگ میں پیش کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں
مخالفوں کو ایک جگہ سارے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج بھی دیا گیا ہے
چنانچہ فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجنّ علی ان یاتوا بمثل
ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔
(بنی اسرائیل ع ۱۰) کہ کہدو اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے کا
ارادہ کریں تو اس کی مثل نہیں لا سکیں گے۔ خواہ بعض ان میں سے بعض
کے مددگار (ہی) ہوں۔

پھر دس سورتوں کی مثل لانے کے چیلنج کے ساتھ مفتریات کی قید لگا کر
بھی چیلنج دیا گیا ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔ فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات
(سورۃ ہود ع ۲) کہ دہ دس سورتیں بطور افتراء کے گھڑ کر پیش کریں۔ مولوی
عنایت اللہ صاحب اگر ان چیلنجوں کے مختلف ہونے کی وجوہ پر غور کریں۔ تو

ان کے اپنے اعتراض کے بودا ہونے کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں قلم کی قید لگا کر دو صد روپیہ نقد انعام کا بھی وعدہ فرما دیا تھا۔ اور ایسی مثال قطعی دلیل کے ساتھ پیش کرنے والا ایک ہزار روپیہ کا بھی ساتھ ہی پہلے چیلنج کے مطابق مطالبہ کر سکتا تھا اسی لئے تو خود مولوی عنایت صاحب نے ایک ہزار روپیہ کی رقم کا مطالبہ کیا تھا اور جب مرزا عاکم بیگ صاحب نے اشتہار کے ذریعہ انکے مسلمہ امین کے پاس رقم جمع کرنے پر آمادگی کا اعلان کیا تو مولوی عنایت اللہ صاحب حیلے اور بہانے سے مقابلہ سے فرار اختیار کر گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مقابلہ میں عہدہ برآ نہیں ہو سکونگا اسلئے انہوں نے فرار میں ہی اپنی خیر سمجھی۔ خدا کے برگزیدوں کے مقابلہ میں کھڑے ہونیوالے اسی طرح ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی توفّی بمعنی موت اور علمائے عرب

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے توفّی کے متعلق جو چیلنج دیا اس میں ان کی کامیابی کا اب یہ عالم ہے کہ کئی علمائے عرب نے جنہوں نے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے یا احمدی علماء سے تبادلہ خیالات کیا ہے اب اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام یقیناً وفات پا چکے ہیں اور توفّی کا لفظ جو ان کے متعلق استعمال ہوا ہے اس کے متبادر معنے موت ہی مراد ہیں چنانچہ ذیل کے علمائے مصر کھلے لفظوں میں وفات مسیحؑ کے قائل ہیں:۔

اوّل الاستاد رشید رضا مرحوم ایڈیٹر المنار و مفسر قرآن و مفتی دیار مصریہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحقیق کو جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے کشمیر میں ہجرت کے متعلق ہے پڑھنے کے بعد اپنے ایک مضمون حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں ہجرت کے متعلق المنار میں لکھتے ہیں:۔

فَفِرارُہٗ الی الھند وموتہ فی ذالک البلد لیس ببعید عقلاً ونقلاً (رسالہ المنار جلد ۵ صفحہ ۹۰۰ تا ۹۰۱)

یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ہندوستان کی طرف ہجرت کرنا اور اس شہر (سرینگر) میں وفات پانا عقل ونقل سے بعید نہیں۔

دوم:۔ علامہ محمد عبدہٗ مفتی مصر حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"التوفی ھنا ھو الامامۃ کما ھو الظاھر المتبادر"۔ کہ توفی کے معنی یہاں موت کے ہیں یہی سیاق سے ظاہر ہے اور انسانی ذہن بھی انہی معانی کو قبول کرتا ہے۔

سوم۔ علامہ محمود شلتوت منتظم اعلیٰ ازہر یونیورسٹی لکھتے ہیں:۔

انہٗ لیس فی القرآن الکریم ولا فی السنۃ المطھرۃ مُسْتَنَدٌ یصلحُ لتکوینِ عقیدۃٍ یطمئنّ الیھا القلب بان عیسٰی رفع بجسدہٖ الی السماء وانہٗ حیٌّ الی الآن فیھا۔ یعنی قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں کوئی سند ایسی موجود نہیں جس سے یہ عقیدہ قرار دیا جا سکتا ہو۔ اور دل بھی اس پر مطمئن ہو جاتا ہو کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور وہ اب تک وہاں زندہ موجود ہیں (از رسالہ مجلہ جامع ازہر... ۱۵ / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۴۳)

یہ صرف تین جید مفتیانِ مصر کی نمونہ کے طور پر عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی عرب عالم اب وفاتِ مسیح کے قائل ہیں جن کے اقوال بنظرِ اختصار درج نہیں کئے گئے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اُتریگا ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان سے عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھیگا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی۔ اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسےٰ ابنِ مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی۔ اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالیگا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا۔ اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسےٰ اب تک آسمان سے نہیں اترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی۔ کہ عیسےٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دینگے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بو یا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکیگا۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔